محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

# بے تکی وارداتیں





اشتیاق احمد

دونوں خان رحمان کے گھر میں ایک عرصے سے ملازمت کر رہے ہیں۔ خان رحمان اکثر ہانڈی اور سوٹ جلانے کی پاداش میں ظہور کو کان پکڑوا کر مرغا بنادیتے ہیں۔ پروفیسر داؤد کی اکلوتی بیٹی شائستہ سے بھی محمود، فاروق اور فرزانہ کی خوب بنتی ہے۔

انسپکٹر جمشید پارٹی کے ساتھ بڑی اور بین الاقوامی سطح کی مہمات میں انسپکٹر کامران مرزا، منور علی خان اور ان کے بچے بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی شروع سے اور کبھی کسی کیس کے درمیان اتفاقیہ کہیں اچانک ان کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ کامران مرزا اور منور علی خان آپس میں بہت پرانے دوست بھی ہیں۔ آصف کامران مرزا کے ایک اور پرانے ساتھی اور دوست محمود صاحب کا بیٹا ہے۔ آصف کے والد کاروبار کے سلسلے میں بیرون ملک رہتے ہیں لیکن وہ تعلیم کے سلسلے میں اور کامران مرزا کے فرزند آفتاب کے ساتھ گہری دوستی کے سبب ان کے ہی گھر میں بچپن سے رہتا آیا ہے۔ فرحت، منور علی خان کی بیٹی ہے اور وہ بھی بچپن سے کامران مرزا کے گھر پر رہتی ہے۔ آفتاب، آصف اور فرحت بچپن سے ہی سگے بہن بھائیوں کی طرح رہتے آئے ہیں۔ فرحت بھی فرزانہ کی طرح ترکیبیں بتانے کی ماہر ہے۔ جب کبھی یہ سب کسی مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں یا کسی سازش کے جال میں بری طرح پھنس جاتے ہیں، فرزانہ اور فرحت کی ترکیبوں کے سبب ہی نکل پاتے ہیں۔

ان کی زندگی اسی طرح گزر رہی ہے اور یہ ایک بہت ہی دلچسپ زندگی ہے......

☆☆☆☆☆



السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہٗ! بے تکی وارداتوں کی دو باتیں حاضر ہیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان دو باتوں میں کوئی تک کی بات نہ ہو، لیکن ناول جو بے تکی وارداتیں ہوا ... لیکن بے تکی وارداتیں پڑھتے ہوئے ہوسکتا ہے، آپ کا منہ بن جائے اور کہہ اٹھیں، یہ کیا ... ناول تو چلو بے تکی وارداتیں ہوا، کیا یہ ضروری تھا کہ دو باتیں بھی بے تکی ہوں، لہٰذا اس اعتراض سے بال بال بچنے کے لیے میں تک کی دو باتیں کرنے کی کوشش کروں گا ... اب یہ اور بات ہے کہ میں اپنی اس کوشش میں بڑی طرح ناکام ہو جاؤں اور ایک بھی تک کی بات نہ کر سکوں اور لے دے کر دو باتیں وہی بے تکی دو باتیں بن کر رہ جائیں گے ... یا یوں کہہ لیں کہ چوں چوں کا مربہ بن جائیں۔ آپ یقیناً چوں چوں کا مربہ پسند نہیں کرتے ہوں گے۔

پہلی تک کی بات یہ ہے کہ میں آج کل بہت بے تکا پن محسوس کر رہا ہوں...اور میں کیا، شاید ہمارے ملک کا ہر شخص بے تکا پن محسوس کر رہا ہے ... اس سے آگے بات کی جائے تو پورا ملک بے تکا چل رہا ہے ... اس کی بے ڈھنگی چال نے ہم سب کو بے ڈھنگا کر کے رکھ دیا ہے ... لیکن نہیں ... میں غلط لکھ گیا ... ملک کے نہیں ... ملک کے حکمرانوں نے ... تمام سیاست دانوں، فوجیوں، سرکاری ملازمین اور حکمرانوں کی کوئی کل سیدھی نہیں ... ان کی تمام کلیں بے ڈھنگی نظر آتی ہیں... سب ایک دوسرے کی ٹانگیں

کھینچنے میں دن رات مصروف نظر آتے ہیں ... یوں لگتا ہے کہ ان سب کو ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ... بلکہ یوں لگتا ہے ۔ ہمارے ملک میں اگر کوئی کام کرنے کا رہ گیا تو وہ ہے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنا... گویا ہم نے یہ کام نہ کیا تو ملک نہیں چلے گا .... ٹھپ ہو کر رہ جائے گا ...ان کے ٹانگیں کھینچنے سے ہی ملک بے چارہ چل رہا ہے ،ورنہ کبھی کا رہ گیا ہوتا...اور جب ملک بے حال ہے ...یعنی فوجیوں، سرکاری افسران اور سیاست دانوں اور حکمرانوں نے جب ملک کا یہ حال کر دیا ہو تو ان حالات میں کوئی ڈھنگ کی بات کیسے سوچ سکتا ہے ... جب ڈھنگ کی بات سوچی ہی نہیں جا سکتی تو ظاہر ہے ، بے تکی باتیں ذہن میں آئیں گی...اور پھر ناول بھی بے تکی وارداتیں لکھا جائے گا ... جیسا کہ یہ لکھا گیا ہے ۔

میرا مشورہ ہے ، آپ اس ناول کو ڈھنگ سے نہ پڑھیں... بے ڈھنگے انداز میں پڑھیں ... میرا مطلب ہے ... تک سے نہ پڑھیں ... بے تکے انداز میں پڑھیں اور اگر اس کوشش میں ناکام رہ جائیں تو کوئی بے تکی عینک لگا کر پڑھیں... آپ کو بے تکی وارداتیں صاف نظر آئیں گی۔ آپ ان بے تکی وارداتوں کے آئینے میں کوئی تک کی بات سوچ سکیں ... کوئی ڈھنگ کا کام کر سکیں اور کہہ سکیں... چونکہ میں نے ابھی ابھی ناول بے تکی وارداتیں پڑھا ہے اس لیے ڈھنگ کی بات کرنے کے قابل ہو گیا ہوں... کاش اسی طرح پورا ملک تک باتیں کرنے لگ جائے اور بے تکی باتوں سے بچ جائے... اسی صورت ہم بے تکی وارداتوں سے بچ سکیں گے ...اور میں تو یہ دعا ہی کر سکتا ہوں... آپ بھی میرے ساتھ دعا کر لیں... اللہ قبول کرنے والے ہیں ۔

والسلام





# سیاہ پوش

زاہد نسیم ابدالی کی آنکھ کھل گئی۔ انہیں یوں محسوس ہوا تھا کہ کسی نے ان کا گال تھپتھپایا ہے۔ انہوں نے دیکھا، ان کے سامنے سر سے پیر تک سیاہ لباس پہنے ایک لمبے قد کا شخص کھڑا تھا ۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوفناک سا پستول تھا...

وہ سکتے میں آگئے۔ ان کے دائیں طرف ان کا چار سالہ بیٹا سویا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ان کی بیگم گہری نیند میں نظر آئیں۔ ان کی آنکھ اس لئے کھلی تھی کہ سیاہ پوش نے ان کے گال تھپتھپائے تھے ۔

ان کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا، کیونکہ ان کی کوٹھی میں داخل ہونا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ دروازے پر ہر وقت دو سیکورٹی گارڈ موجود رہتے تھے۔ کوٹھی کے گرد ایک بلند چار دیواری تھی جس پر خاردار تار لگے ہوئے تھے اور اس چار دیواری میں بس ایک ہی بڑا دروازہ تھا، گویا اس دروازے کے علاوہ اندر داخل ہونے کا کوئی اور راستہ نہیں

تھا... ان حالات میں کسی کا اس طرح یہ ساری رکاوٹیں عبور کر کے اندر آجانا حیران کن بات تھی۔

فوری طور پر ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہو نہ ہو، یہ سیاہ پوش دونوں گارڈز میں سے ایک ہے اور ان دونوں نے مل کر انہیں لوٹنے کا پروگرام بنایا ہے۔ آخر انہوں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا:

"کیا چاہتے ہو۔"

"مجھے ایک چیز کی تلاش ہے... اگر آپ نے میرے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی تو کام پرسکون انداز میں مکمل ہو جائے گا اور اگر آپ نے کوئی رکاوٹ ڈالی، مجھے گرفتار کرانے کی کوشش کی... اپنے سیکورٹی والوں کو خبردار کرنے کی کوشش کی... یا پولیس کو فون کرنے کی کوشش کی تو اس صورت میں خون خرابہ ہوگا اور خوب ہوگا، لیکن اگر آپ کی طرف سے کوئی گڑبڑ نہ ہوئی تو خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہے گا... اب آپ سوچ لیں، کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔"

اس کے خاموش ہونے پر وہ دل میں ہنسے... کیونکہ ان کے خیال میں وہ دونوں گارڈوں میں سے ایک ہی تو تھا... آخر انہوں نے پرسکون آواز میں کہا:

"ٹھیک ہے... تم کو جو کرنا ہے، کرلو... تم جب تک اپنا کام



مکمل نہیں کر لیتے، میں کچھ نہیں کروں گا... جب تم چلے جاؤ گے، تب تو میں پولیس کو فون کرسکتا ہوں نا۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا... ویسے آپ ضرور بلا لیجیے گا پولیس کو... مجھے کوئی اعتراض نہیں، لیکن پولیس آپ کے کسی کام نہیں آسکے گی... اس لیے میرا مشورہ تو یہی ہے کہ نہ ہی بلایئے گا... اس طرح بات گھر کی گھر میں رہ جائے گی... باہر نہیں نکلے گی اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ جب بات گھر سے باہر نکل جاتی ہے تو پھر ہر طرف پھیل جاتی ہے... کیا آپ پسند کریں گے کہ یہ بات پھیل جائے۔"

"نہیں... میں اس بات کو بالکل پسند نہیں کروں گا۔"

"اور دوسری بات... آپ خیال کر رہے ہیں کہ میں آپ کے گارڈز میں سے ایک ہوں..." وہ کہتے کہتے رکا تو یہ چونک اٹھے اور حیران ہو کر بولے: "تت... تو کیا یہ بات نہیں۔"

"نہیں! آپ اپنے سیکورٹی کیمرے کے ذریعے دیکھ لیں... دونوں گارڈ آپ کو دروازے پر نظر آئیں گے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"آپ دیکھ لیں... اپنا اطمینان کر لیں۔"

انہوں نے سامنے دیوار پر لگے LCD مانیٹر کا بٹن دبایا۔اسکرین

روشن ہوگئی... اور اس پر دونوں گارڈ دروازے پر کھڑے نظر آئے:

"دیکھا آپ نے۔"

"تت تو پھر... تم اندر کیسے آئے۔"

"آپ اس بات کو چھوڑیں ... اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا ... آپ کا فائدہ تو بس اس میں ہے کہ مجھے اپنا کام کرنے دیں۔"

"کیا تم نقدی اور زیورات لوٹنا چاہتے ہو۔"

"یہ بہت چھوٹی اور معمولی چیزیں ہیں، میں ایسی چیزوں کا چور نہیں۔"

"تب پھر؟" وہ پریشان ہوگئے تھے ... نہ جانے یہ نقدی اور زیورات سے زیادہ کون سی قیمتی چیز چرا کر لے جانا چاہتا ہے۔

"سوری ... یہ نہیں بتا سکتا ... ہاں تو کیا خیال ہے ... آپ تعاون کریں گے یا میں دوسرا طریقہ اختیار کروں۔"

"دوسرا طریقہ اختیار ... کیا مطلب؟"

"دوسرے طریقے کا مطلب ہے ... دوسرا طریقہ، اس کا اس سے زیادہ آسان ترجمہ مجھے نہیں آتا۔" اس نے منہ بنایا۔

"خیر تم یہ تو بتا سکتے ہو نا ... کہ دوسرا طریقہ کیا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"وہ یہ ہے کہ میں آپ تینوں کو بے ہوش کر دوں اور اپنا کام کروں ... اس طرح مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"



"نن نہیں تم ایسا نہ کرنا۔"

"آپ کو کچھ بھی نہیں ہوگا ... بس یہ ایسا ہی ہے جیسے گہری نیند آ رہی ہو۔"

"پھر بھی تم ایسا نہ کرو... میں وعدہ کرتا ہوں... کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا ... بلکہ تمہارے جانے کے بعد بھی پولیس کو نہیں بلاؤں گا ... نہ اس واقعے کا کسی سے ذکر کروں گا... لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"چلیے خیر... آپ اپنی شرط بتا دیں۔" نقاب پوش کی ہلکی سی طنزیہ ہنسی سنائی دی۔

"تم صرف یہ بتا دو... تم کیا چیز لے جانا چاہتے ہو۔"

"آپ پھر وہی بات کر رہے ہیں ... میں بتا چکا ہوں کہ یہ میں نہیں بتاؤں گا ... سوری ... بس میں یہی نہیں بتا سکتا ... ویسے میں جانتا ہوں... آپ اپنے موبائل کا بٹن دبا چکے ہیں اور یہ بات چیت ریکارڈ ہو رہی ہے، لیکن مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا ... کیونکہ میں آواز بدل کر بات کر رہا ہوں اور میری شکل آپ نہیں دیکھ سکتے۔"

"تم اپنا کام شروع کرو... چونکہ تم نے میری شرط نہیں مانی، اس لیے میں بھی تمہارے جانے کے بعد آزاد ہوں گا... جو چاہوں کروں گا... پولیس کو بلا کر بات بتاؤں گا۔"

’’ہاں ضرور ... کیوں نہیں ...‘‘ اس نے فوراً کہا۔

اور پھر اس نے اپنا کام شروع کردیا... اس کمرے کی پوری طرح تلاشی لی ... ایک ایک چیز کا غور سے جائزہ لیا... سیف کھول کر اسے بھی اچھی طرح دیکھا۔

نقدی اور زیورات کی طرف اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا... جب پورے کمرے کی خوب اچھی طرح تلاشی لے چکا اور کوئی کونہ تلاشی کے بغیر نہ رہا تو اس نے کہا:

’’اب مجھے آپ کے ڈرائنگ روم کی تلاشی لینی ہے ... اس کے لیے بھلا کیا طریقہ ممکن ہے یہ آپ بتا دیں... میرا مطلب ہے ، میں آپ کو تنہا چھوڑ کر وہاں نہیں جا سکتا اور یہاں آپ کی بیوی اور بیٹا سو رہے ہیں ... کیا خیال ... آپ تینوں کو بے ہوش ہی کر دیا جائے۔‘‘

’’نن نہیں۔‘‘

’’تب پھر آپ ان دونوں کو جگائیں اور میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں چلیں۔‘‘

’’اس طرح یہ دونوں بہت دہشت زدہ ہو جائیں گے ... ان کی نیند بہت گہری ہے، یہ نہیں جاگیں گے... میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔‘‘

’’ہوسکتا ہے ... آپ کی بیگم جاگ چکی ہوں اور یہ ساری گفتگو



سن چکی ہوں اور جب ہم ڈرائنگ روم میں چلے جائیں تو وہ پولیس کو فون کر دیں، لہٰذا میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا... آپ انہیں جگائیں ... یا تینوں بے ہوش ہونا منظور کرلیں... ویسے آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں... آپ صرف گہری نیند محسوس کریں گے ... یہ دیکھیں۔‘‘ یہ کہتے ہی اس نے ان کے چہرے پر ایک سوئی چبھو دی جسے اس نے گفتگو کے دوران اپنی جیب سے نکال لیا تھا:

’’نن نہیں۔‘‘ مارے گھبراہٹ کے زاہد نسیم ابدالی نے کہنا چاہا... لیکن اسی وقت وہ بستر پر ڈھیر ہوگئے... وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو چکے تھے... ظاہر ہے ، ان کی بیگم اور بیٹا بھی بے ہوش ہو گئے ہوں گے ۔

اس نے انہیں ہلا جلا کر دیکھا... ان میں ہوش میں آنے کے کوئی امکانات نظر نہ آئے... اب وہ ڈرائنگ روم میں آگیا... ڈرائنگ روم کی بھی اچھی طرح تلاشی لی۔ دو گھنٹے بعد کہیں جاکر وہ اپنے کام سے فارغ ہوا... وہ واپس زاہد نسیم ابدالی کے کمرے میں آیا... تینوں بالکل اسی طرح لیٹے نظر آئے جیسے وہ انہیں چھوڑ کر گیا تھا... اس کا مطلب تھا... ان دو گھنٹوں کے درمیان وہ مکمل طور پر بے ہوش رہے تھے ... وہ الٹے قدموں مڑا... باہر جانے کے راستے پر چل پڑا۔

O

زاہد نسیم ابدالی کی آنکھ کھلی۔ انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی ... صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ ان کی بیوی اور بیٹا اسی طرح سو رہے تھے... انہوں نے ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔ ملازم دوڑا ہوا آیا، اس کا کوارٹر کوٹھی سے باہر پچھلی طرف تھا... اس کے چہرے پر بدحواسی تھی:

''کیا بات ہے... تم نے ہمیں آج جگایا کیوں نہیں۔''

''جناب ... میں تو جگا جگا کر تھک گیا... عبدالجبار بھی کوشش کر کے تھک گیا، آپ نہیں جاگے۔''

اچانک انہیں رات کا واقعہ یاد آگیا... ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا: ''اوہ۔'' پھر وہ اس سے بولے:

''پھر تم نے کیا کیا۔''

''بس ہم نے سوچا... شاید آپ رات کو بہت زیادہ دیر تک جاگتے رہے ہیں... اس لیے آنکھ نہیں کھل رہی ... ویسے ناشتا تو کب کا تیار ہے۔''

''ہوں ٹھیک ہے... تم ناشتا لگاؤ... ہم آتے ہیں۔''

اب انہوں نے بیگم اور بیٹے کو ہلایا جلایا ... کافی دیر تک ہلانے کے بعد آخر ان دونوں کی آنکھیں کھل سکیں:

''گیارہ بج رہے ہیں... اور ہم آج ابھی تک پڑے سو رہے



ہیں... دفتر جانے کا وقت کب کا نکل چکا ہے ... انہوں نے سوچ لیا ہوگا ... طبیعت خراب ہے، اس لیے نہیں آئے... میں دفتر فون کر کے آتا ہوں۔''

''اچھا... ویسے حیرت ہے آج سے پہلے تو کبھی ایسا ہوا نہیں۔''

''پہلے میں فون کرلوں... پھر ناشتے کی میز پر باتیں ہوں گی۔''

''جی اچھا۔''

اب انہوں نے دفتر کے نمبر ملائے، اپنے نائب کو بتایا کہ طبیعت خراب ہے... اس لیے وہ آج دفتر نہیں آئیں گے۔''

''اوکے سر۔'' ان کے نائب نے کہا۔

وہ تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آئے ... ناشتے سے پہلے وہ کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہتے تھے۔ آخر ناشتے سے فارغ ہو کر انہوں نے سیاہ پوش کی آمد کے بارے میں بتایا... دونوں خوفزدہ ہوگئے:

''اب ڈرنے کی کیا ضرورت ہے ... اب تو وہ جا بھی چکا ہے ... اب ہم تینوں کو اپنی تمام چیزوں کو چیک کرنا ہے ... اور یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا کچھ لے گیا ہے۔''

انہوں نے اپنی تمام چیزوں کو اچھی طرح دیکھا بھالا، غور کیا، جائزہ لیا، لیکن کوئی چیز بھی غائب نہیں تھی... تھک ہار کر وہ پھر ناشتے

کی میز پر آبیٹھے اور ان کی بیگم نے کہا:

"پھر وہ کیا کرنے آیا تھا... ہر چیز تو اپنی جگہ پر موجود ہے۔"

"اس نے کہا بھی یہی تھا کہ نہ تو وہ سونے چاندی کے زیورات لے جانے کے لیے آیا ہے... نہ نقدی... وہ تو ایک اور ہی چیز لے جانے کے لیے آیا ہے۔"

"تب پھر آپ کے سرکاری امور سے متعلق کوئی چیز بھی ہو سکتی ہے... اس حوالے سے بھی سوچئے کہ وہ کیا لے گیا ہے۔"

"افسوس تو اسی بات کا ہے کہ ایسا کچھ ذہن میں نہیں آرہا... کچھ معلوم نہیں... میں شدید الجھن محسوس کر رہا ہوں۔"

"تب پھر کیا پولیس کو فون کرنا مناسب رہے گا۔"

"ہاں... یہ تو خیر کرنا ہی ہوگا... کیونکہ اگر بعد میں معلوم ہو کہ وہ کوئی اہم اور حساس نوعیت کے سرکاری راز لے اڑا ہے تو کم از کم ہمارے پاس اس واردات کی ایف آئی آر ہوگی اور کوئی ہم پر انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ٹیلیفون انکوائری سے متعلقہ تھانے کے نمبر لئے... اور پھر اپنے گھر کے فون سے ڈائل کئے... ڈیوٹی افسر کو اپنا تعارف کرایا، رات کی واردات کے بارے میں بتایا اور ریسیور رکھ دیا... جلد



ہی پولیس پہنچ گئی۔ پولیس انسپکٹر نے آتے ہی کہا:

"سر... مجھے انسپکٹر رضوان شاہ کہتے ہیں اور میں اس علاقے کا ایس ایچ او ہوں... ساری بات تفصیل سے بتائیں۔"

انہوں نے تفصیل سنا دی۔ ساری بات سن کر وہ سوچ میں ڈوب گیا... آخر بولا: "معاف کیجیے گا سر... لیکن میری رائے میں آپ کا کیس عام پولیس کے بس کا نہیں... آپ کو محکمہ سراغرسانی سے رابطہ کرنا ہوگا... ایف آئی آر البتہ میں اس واردات کی ضرور درج کر لیتا ہوں... شام کو ایف آئی آر کا رجسٹر میں اپنے ہیڈ محرر کے ہاتھ بھجوا دوں گا... جیسی ایف آئی آر چاہیں گے درج کر دی جائے گی، ویسے عام لوگوں کو ہم اس کام کیلئے تھانے بلاتے ہیں لیکن آپ تو وی آئی پی شخصیت ہیں... آپ کو زحمت نہیں دیں گے۔" رضوان شاہ کے انداز میں خوشامدی پن نمایاں تھا۔ نسیم ابدالی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا، لیکن پھر زیر لب مسکرا دیئے:

"میرا خیال ہے... تم ٹھیک کہتے ہو۔"

ایس ایچ او کو رخصت کر کے اب انہوں نے محکمہ سراغرسانی کے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے... اور ان کے پی اے کے ذریعے سلسلہ ملنے پر بولے: "شیخ صاحب... زاہد نسیم ابدالی بات کر رہا ہوں۔"

"جی جناب... فرمایئے۔" آئی جی صاحب کی خوش اخلاقی سے بھرپور آواز سنائی دی... زاہد نسیم ابدالی صاحب وزیر اعلیٰ کے داخلہ امور کے سیکرٹری تھے۔

"میرے گھر میں ایک پراسرار واردات ہوئی ہے ...نہیں نہیں... بظاہر پریشانی والی کوئی بات نہیں... کوئی جانی و مالی نقصان نہیں ہوا... میں نے اپنے علاقے کے ایس ایچ او کو بھی اس سے آگاہ کر دیا تھا... لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پولیس اس معاملے میں رسمی کاغذی کارروائی سے آگے نہیں بڑھ پائے گی اس لئے میں نے بہتر سمجھا کہ اس سلسلے میں آپ سے یعنی محکمہ سراغرسانی سے رابطہ کر لیا جائے۔"

"جی ضرور کیوں نہیں ... مجھے تفصیل سے بتائیں کہ ہوا کیا ہے۔"

زاہد نسیم نے پوری بات تفصیل سے سنا دی... انہوں نے سن کر کہا:

"یہ واقعی بہت عجیب سی واردات ہے ... میں انسپکٹر جمشید کو بھیج دیتا ہوں، امید ہے کہ وہ بہت جلد اس معاملے کی جڑ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"بس ٹھیک ہے ... میرے ذہن میں بھی انہی کا نام آیا تھا... وہ ایسے معاملات میں بہت نام رکھتے ہیں۔"

"جی ہاں بالکل ... اور بلاوجہ ایسا نہیں ... ان میں بلا کی قابلیت



موجود ہے اور ساتھ میں ان کے بچوں میں بھی۔"

"بس تو پھر میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر ابدالی نے فون بند کر دیا۔

O

ریسور رکھنے کے ساتھ ہی دوسرے ہاتھ سے انہوں نے پی اے کو بلانے کیلئے گھنٹی کا بٹن دبا... پی اے اندر داخل ہوا تو بولے:

"جمشید کو بلاؤ۔"

"جی سر!" وہ فوراً بولا اور الٹے قدموں گھوم گیا۔

جلد ہی انسپکٹر جمشید کمرے میں السلام علیکم کہتے ہوئے داخل ہوئے... انہیں آئی جی صاحب گہری سوچ میں گم نظر آئے... شاید اسی لیے انہوں نے ان کی آواز سننے کے باوجود وعلیکم السلام نہیں کہا... حالانکہ وہ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ چکے تھے:

"خیر تو ہے سر ... پریشان ہیں کیا۔"

"اوہ ... وعلیکم السلام جمشید... نہیں پریشان نہیں، حیران ہوں۔"

"حیرانی تو ہمارے لیے نئی بات نہیں ہے سر۔" وہ مسکرائے۔

"ہاں ... لیکن اس بار معاملہ ہے زاہد نسیم ابدالی صاحب کا۔"

'' وزیر اعلیٰ کے سیکرٹری برائے معدنی وسائل ؟ '' ان کے لہجے میں حیرت در آئی۔

'' ہاں! حیران ہو گئے ہو نا تم ۔''

'' بالکل سر ... وہ اس لئے کہ حال ہی میں ان کا نام ایک کرپشن اسکینڈل میں بھی سامنے آیا تھا۔''

'' میں جانتا ہوں جمشید ... ہماری انٹیلیجنس رپورٹوں کے مطابق بھی ان کا ریکارڈ صاف نہیں ہے۔''

'' آپ نے درست فرمایا سر! میں یہی کہنا چاہتا تھا۔''

اچھا اب یہ سنو کہ ان کے ساتھ واقعہ کیا پیش آیا ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے سیاہ پوش والی بات انہیں بتا دی ... وہ غور سے سنتے رہے ... پھر ان کے خاموش ہونے پر بولے:

'' اس میں دو امکانات ہیں، ویسے ہوسکتا ہے کہ کوئی تیسرا امکان بھی ہو ... پہلا اور بالکل سامنے کا تو یہ کہ وہ کسی خاص چیز کی تلاش میں آیا تھا۔ اور وہ تلاش کر کے لے گیا ... لیکن ابدالی صاحب کو اس بات کا علم نہیں ہوسکا کہ وہ کیا چیز لے گیا ہے یا پھر یہ کہ انہیں معلوم تو ہوگیا ہو لیکن وہ ہمیں بتانا نہ چاہ رہے ہوں... ایک امکان تو یہ ہے، دوسرا امکان یہ ہے کہ نقاب پوش جس چیز کی تلاش میں تھا ... وہ اسے



نہیں ملی اور وہ ناکام چلا گیا، لیکن پھر بھی اس نے اس چیز کے بارے میں ابدالی صاحب سے دریافت نہیں کیا، اس کا مطلب ہے کہ سیاہ پوش خود بھی اس بات کو راز رکھنا چاہتا تھا ... یہ تو تھے دو امکانات۔ مزید امکانات بھی ہو سکتے ہیں لیکن ان کے متعلق کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا اور اگر آپ برا نہ مانیں تو ان کا اظہار میں اس وقت نہیں کرنا چاہوں گا۔'' یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

آئی جی صاحب مسکرا دیے ... وہ انسپکٹر جمشید سے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے تھے ... اور دونوں کا ساتھ ویسے بھی بہت پرانا تھا ... یورپ کی جس اکیڈمی سے انسپکٹر جمشید نے کرمنالوجی کی ڈگری لی تھی ... شیخ صاحب وہاں بھی لیکچر دیا کرتے تھے ... گویا ایک طرح سے ان کے استاد بھی تھے: '' ٹھیک ہے جمشید، مجھے کوئی اعتراض نہیں... تم بس اس معاملے کی جڑ تک پہنچنے کی کوشش کرو ... کیونکہ میں اپنے تجربے کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ معاملہ ہماری توقع سے کہیں زیادہ گہرا ثابت ہوگا۔''

'' آپ فکر نہ کریں سر، میری پوری توجہ اس کیس پر ہی رہے گی اور جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ محمود، فاروق، فرزانہ بھی اس میں حد درجے دلچسپی محسوس کریں گے ۔''

'' بہت خوب ... میں چاہوں گا کہ تم اسی وقت ابدالی صاحب کی

طرف چلے جاؤ ... وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اوکے سر۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

O

جلد ہی وہ زاہد نسیم ابدالی کی کوٹھی میں داخل ہو رہے تھے ... دروازے پر موجود سیکورٹی اہلکار کو شاید پہلے ہی ان کی آمد کی اطلاع تھی ... لہٰذا جونہی وہ انٹیلیجنس بیورو کے مخصوص نشان والی جیپ سے اترے تھے، ان میں سے ایک خود ہی بول اٹھا تھا:

"انسپکٹر جمشید سر؟"

"جی ہاں۔"

"آیئے سر ... صاحب آپ ہی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ گارڈ کے ساتھ گیٹ کے اندر داخل ہوئے... اور پھر ان کے اٹھتے قدم رک گئے ... آنکھوں میں الجھن نمودار ہوگئی ... گارڈ آگے بڑھ گیا ... لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ اس کے پیچھے نہیں آ رہے تھے تو وہ ان کی طرف مڑا: "خیر تو ہے سر!"

"ہوں... نن نہیں ... کوئی بات نہیں ... چلیے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ جلد ہی گارڈ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا ... وہاں ابدالی صاحب پہلے سے موجود تھے ... انسپکٹر جمشید انہیں بہت سی تقریبات



میں دیکھ چکے تھے ... انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے: "السلام علیکم۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"وعلیکم السلام انسپکٹر صاحب..."

"ابدالی صاحب... اس سے پہلے کہ آپ مجھے تفصیل سنائیں... میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں انسپکٹر صاحب ... ضرور کیوں نہیں۔" وہ فوراً بولے۔

"رات جب وہ سیاہ پوش اندر داخل ہوا، کیا اس وقت آپ کے سیکورٹی کیمرے چل رہے تھے؟"

"کیمرے بند تو نہیں تھے ... لیکن ڈی وی آر کی ہارڈ ڈسک میں کل رات کی وڈیو ریکارڈ نہیں ہو پائی ... شاید یہ بھی اسی سیاہ پوش کی کارستانی تھی۔"

"خیر ... جو کچھ آپ کے ساتھ پیش آیا ...میں آپ سے اس کی تفصیل سننا چاہتا ہوں۔"

ایک طویل سانس لے کر نسیم ابدالی نے بات شروع ہی کی تھی کہ ایسے میں انسپکٹر جمشید کے فون کی گھنٹی بجی... انہوں نے دیکھا، فون محمود کا تھا۔

☆☆☆☆☆

## سو فیصد دوسری

ٹی وی لاؤنج میں رکھے فون کی گھنٹی بجی...

اس وقت شام کے پانچ بجنے والے تھے۔ انسپکٹر جمشید ابھی گھر نہیں آئے تھے... لیکن کسی لمحے بھی وہ آسکتے تھے... گھنٹی کی آواز نے فرزانہ کو چونکا دیا، اس نے فوراً کہا:

''یہ میری کسی سہیلی کا فون ہے۔''

''ہائیں... تو کیا فون کی گھنٹی اب یہ بھی بتانے لگی ہے۔'' فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اگر فون کی گھنٹی سے خطرے کی بو تمہیں آسکتی ہے تو مجھے اپنی سہیلی کی بو کیوں نہیں آسکتی۔''

''کیا کہا... سہیلی کی بو۔'' فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

''لیکن یہ کسی ناول کا نام نہیں ہوسکتا۔'' محمود مسکرایا۔

''توبہ ہے تم لوگوں سے... ریسیور اٹھاتے نہیں... اور باتیں



بگھار رہے ہیں... میں سنتی ہوں فون۔'' ان الفاظ کے ساتھ ہی بیگم جمشید باورچی خانے سے نکلنے لگیں:

''نہیں آپ رہنے دیں... میں سنتی ہوں فون۔'' یہ کہتے ہوئے فرزانہ نے دوڑ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف کی آواز سنتے ہی فرزانہ چہکی: ''دیکھا... میں نے کہا تھا نا۔''

''کیا کہا تھا۔'' فون میں دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''ایک منٹ صوفیہ۔'' یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑی۔

''میرا اندازہ سو فیصد درست نکلا... یہ میری سہیلی صوفیہ ہیں۔''

''یوں کہو... تکا لگ گیا... ورنہ یہ کیسے ممکن ہے گھنٹی سے پتا لگ جائے... جب تک کہ موبائل فون کی طرح ناموں کے ساتھ مخصوص رنگ ٹون نہ لگا دی جائے۔'' فاروق نے جھلا کر کہا۔

''اچھا بابا ٹھیک ہے... اب فون تو سن لو نا۔'' محمود جل گیا۔

فرزانہ مسکرا دی اور ریسیور میں بولی: ''ہاں تو صوفیہ... میری یاد کیسے آگئی۔''

''سچی بات یہ ہے کہ میں تمہاری ضرورت محسوس کر رہی ہوں... لیکن تم بس صرف مجھ سے ملنے کے لیے آؤ گی... یہ ظاہر نہیں کرو گی کہ میں نے بلایا ہے... ورنہ پاپا ناراض ہوں گے۔''

''کیا مطلب... کیا کوئی خاص مسئلہ ہے۔''

''پپ... پتا نہیں... میں تو یہی محسوس کر رہی ہوں... لیکن پاپا نے اس معاملے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ... امی بھی پریشان ہیں۔''

''ایسی کیا بات ہو گئی۔''

''یہاں آنے پر ہی بتا سکتی ہوں۔''

''اکیلی آؤں... یا اپنے بھائیوں کے ساتھ آؤں۔''

''اگر تم بھائیوں کے ساتھ آئیں تو پاپا شک کریں گے۔''

''اچھی بات ہے ... میں آدھ گھنٹے تک پہنچ جاؤں گی...یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور ان دونوں کی طرف مڑی :

''کوئی مسئلہ ہے ... اس کے والد اس سلسلے میں کسی کی مدد نہیں چاہتے ... لیکن وہ اور اس کی والدہ پریشان ہیں ،لہذا وہ چاہتی ہے کہ میں اس سے ملنے کے بہانے پہنچ جاؤں اور مجھے بتائے گی کہ کیا معاملہ ہے ، لہذا مجھے اکیلے ہی جانا ہوگا ... میں جاؤں امی جان ...اگر آپ کی اجازت ہو تو۔''

''ہاں فرزانہ چلی جاؤ ...'' بیگم جمشید نے خوش دلی سے کہا۔

''یہ تو ویسا ہی کوئی معاملہ ہے جیسا جنرل عابد شیرازی والے کیس میں پیش آیا تھا ... ہمارے دوست تو ہمیں اتنا نہیں بلاتے جتنا



تمہاری سہیلیاں تمہیں بلاتی ہیں۔'' محمود یاد کرنے والے انداز میں بولا۔

''آخر کتنی سہیلیاں ہیں تمہاری ... جب دیکھو کسی نہ کسی کے والد کسی مسئلے سے دوچار ہوئے ہوتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے طور پر بلا رہی ہوتی ہے جبکہ اس کے والد کسی کی مدد گوارا نہیں کرتے۔'' فاروق کے لہجے سے بیزاری ٹپک رہی تھی۔

''اتفاق کی بات ہے ...لیکن اس میں میرا کیا قصور ...''

''پہنچ جاؤ پھر۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''جل گئے ...''

''جلتا ہے میرا جوتا ...'' وہ مسکرایا۔

''مطلب یہ کہ میری جوتی کی نقل اتارے گا۔'' فرزانہ ہنسی۔

''جاؤ جاؤ ... کان نہ کھاؤ۔'' محمود جھلا اٹھا۔

''اسے کہتے ہیں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا ... آج تم بھی فاروق کے طرفدار بن گئے۔''

''خبردار محمود... یہ ہمیں لڑانے کی کوشش میں ہے۔''

''فکر نہ کرو ... ہم کیوں لڑنے لگے۔'' محمود مسکرایا۔

''تمہیں لڑاتی ہے میری جوتی ... میں چلی۔''

''اپنے گلے میں نام پتے کی تختی لٹکا لو ... کہیں راستہ بھول گئی تو

کوئی اللہ کا بندہ گھر تو چھوڑ جائے گا۔'' دونوں نے مسکرا کر کہا۔

فرزانہ ان کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی دروازہ کھول کر باہر نکل چکی تھی۔

'' توبہ ہے تم سے ... بلاوجہ اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔'' بیگم جمشید نے مسکرا کر کہا۔

'' آپ فکر نہ کریں امی جان ... جونہی واپس آئے گی، ہم اپنی جھنجلاہٹ واپس لے لیں گے۔'' فاروق نے گویا اعلان کیا۔

'' ہے کوئی تک، بھلا جھنجلاہٹ بھی کوئی واپس لینے کی چیز ہے۔''

'' واپس لینے کو امی جان ... کیا چیز واپس نہیں لی جا سکتی۔''

'' بات سے بات نکالنے میں تم سے آج تک کون جیتا ہے۔''

'' اوہو! یہ کیا۔'' محمود چونکا۔

'' اب کیا ہوا۔''

'' پانچ بج کر ایک منٹ ہو چکا ہے۔''

'' اوہ!'' فاروق اور بیگم جمشید کے منہ سے نکلا۔

'' حیرت ہے ... ابا جان نہیں پہنچے۔'' فاروق بولا۔

'' میں فون کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر محمود نے اپنے والد کے نمبر ملائے... دوسری طرف سے کہا گیا۔



'' سب خیریت ہے ... آئی جی صاحب کے کمرے کی طرف جا رہا ہوں، واپس آنے میں شاید کچھ دیر ہو جائے۔'' اتنا کہہ کر انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

'' وہ مصروف ہیں... اور دفتر ہی میں ہیں۔'' محمود نے ریسور رکھتے ہوئے کہا۔

'' چلو خیر... الجھن دور ہوئی۔''

عین اس وقت دروازے پر دستک ہوئی ... دونوں چونک اٹھے ... بلکہ اندر باورچی خانے میں بیگم جمشید بھی چونک اٹھیں... وہ جلدی سے باہر آئیں اور بولیں:

'' مجھے اس دستک سے خوف کی بو آ رہی ہے۔''

'' اللہ اپنا رحم فرمائے... یہ ہمیں ہوتا کیا جا رہا ہے ... فون کی گھنٹیوں سے ہمیں پتا چل جاتا ہے کہ وہ فون کس کا ہوگا... اب دستک سے خوف کی بو آ رہی ہے۔''

'' میں کہتی ہوں ہوشیار ہو جاؤ... میں اندر جا رہی ہوں، اپنا مورچہ سنبھالنے ... تم دیکھ بھال کر دروازہ کھولنا۔''

'' جی اچھا۔'' دونوں نے ایک ساتھ کہا ... انہیں اس قدر خوفزدہ دیکھ کر وہ بھی خوف محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔

محمود محتاط انداز میں دروازے کی طرف بڑھا ... ساتھ فاروق اپنے مورچے کے پیچھے پہنچ گیا۔ محمود نے میجک آئی سے باہر دیکھا... دروازے پر کوئی نہیں تھا:

"دروازے پر کوئی نہیں ہے ... شاید کسی شریر بچے نے بٹن دبا دیا ہوگا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ہمارے محلے میں شریر بچے کا کیا کام ... سب لوگ انتہائی شریف ہیں اور ہمارا تو زیادہ ہی احترام کرتے ہیں۔"

عین اسی لمحے گھنٹی پھر بجی ... محمود نے فوراً میجک آئی میں سے باہر دیکھا... اس مرتبہ اسے سیاہ کوٹ میں ملبوس کوئی کھڑا نظر آیا:

"کون؟" اس نے فوراً ڈور انٹرکام کے نزدیک منہ کر کے کہا۔

"عرضی فواد۔" باہر سے کہا گیا۔

"جی فرمایئے ! کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ایسے کیسے بتادوں، دروازہ کھولیں، جب ہی کچھ بتا سکوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

یہ کہہ کر محمود ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا ... فاروق نے مورچے کے پیچھے سے سر نکال کر کہا: "فکر نہ کرنا۔"

"اچھا۔"



اور پھر اس نے اندر سے دروازہ کھول دیا ... اس نے دیکھا... باہر ایک بے ضرر آدمی کھڑا تھا... اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں:

"انسپکٹر جمشید کہاں ہیں... مجھے ان سے فوری کام ہے ... اگر انہوں نے میری مدد نہ کی تو میں تو گیا کام سے۔"

"وہ ابھی گھر نہیں آئے... دفتر میں مصروف ہیں... لیکن آپ اپنی بات ہم سے بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" اس نے خوش ہو کر کہا اور جلدی سے اندر آگیا۔

"کیا آپ کو کسی سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"نہیں! ایسی بات نہیں... یہ بس ایک عام سا اور سیدھا سا مسئلہ ہے ... اور مجھے ان کی مدد درکار ہے۔"

"اچھی بات ہے ... آپ بیٹھیں... میں ابھی آیا۔"

"جی اچھا شکریہ۔" وہ بولا۔

"فاروق آجاؤ ... امی جان سے کہو، ان کیلئے چائے بنا لیں۔"

"او کے۔" اندر سے فاروق کی آواز سنائی دی اور پھر وہ بھی ڈرائنگ روم میں آگیا۔

"آپ لوگ بہت اچھے ہیں... جیسا سنا تھا، آپ کو ویسا پایا۔"

''اب آپ بتائیں، آپ کا مسئلہ کیا ہے۔''

''میں بتاتا ہوں... لیکن میں نے تو سنا ہے ... آپ تین ہیں، یعنی آپ کی ایک بہن بھی ہیں...''

''وہ ابھی اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔''

''اوہ اچھا خیر... کوئی بات نہیں۔''

ایسے میں کوئی غیر محسوس طور پر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا... اس پر نظر پڑتے ہی محمود اور فاروق چونکے ... محمود کو اسی لمحے احساس ہوا کہ مہمان کے اندر آنے کے بعد اس نے دروازہ اندر سے بند نہیں کیا تھا ... وہ حیران رہ گیا... آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

''آواز نہ نکلے۔'' آنے والے نے سرد آواز میں کہا۔

''جی، جی اچھا۔'' فاروق کے منہ سے سعادت مندانہ لہجے میں نکلا۔

''میں نے کہا تھا آواز نہ نکلے۔'' اس کی آواز اور سرد ہو گئی۔

اب دونوں نے کچھ نہ کہا ... خاموش رہ گئے ... انہیں عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا... آنے والے کی آنکھوں میں نہ جانے کیا بات تھی کہ ان کو اپنے ذہن ماؤف ہوتے محسوس ہو رہے تھے:

''تم دونوں بالکل اسی طرح بیٹھے رہنا... اپنی جگہ سے ہلنا بھی نہیں... نہ تم ہاتھ پیر ہلاؤ گے، نہ اٹھ کر کھڑے ہو گے ...تم نے سنا



... بولو جواب دو... اب میں کہہ رہا ہوں نا... تو تم آہستہ آواز میں جواب دو گے۔''

''ہاں! ہم نے سنا۔''

''اور تم عمل کرو گے، اس پر جو میں نے کہا۔''

''ہاں... عمل کریں گے اس پر جو آپ نے کہا۔''

''تمہارے والد کہاں ہیں۔''

''دفتر میں ہیں، ان کا فون آیا تھا کہ ابھی گھر نہیں آسکتے۔''

''اور بہن؟''

''وہ اپنی ایک سہیلی کے گھر گئی ہے۔''

''وہ کتنی دیر میں آجائے گی۔''

''ابھی ابھی گئی ہے... ایک گھنٹے سے پہلے تو نہیں آسکتی۔''

''اور انسپکٹر جمشید۔''

''ان کے بارے میں ہمیں پتا نہیں۔''

''اچھی بات ہے... منو! ڈرائنگ روم کا دروازہ اندر سے بند کر دو۔'' اس نے پہلے آنے والے کو مخاطب کر کے کہا۔

''اچھا شالو۔''

وہ اٹھا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا:

'' تم یہیں ٹھہرو ... تاکہ معلوم ہو کہ یہ حرکت کریں گے یا نہیں ... حرکت کریں تو ان کو اس سوئی سے بیہوش کر دینا۔'' یہ کہہ کر اس نے پلاسٹک کے چھوٹے سے لفافے میں سے ایک چمکتی ہوئی سوئی اس کی ہتھیلی پر رکھی۔

'' اچھا شالو۔'' منو نے محمود، فاروق کے چہروں پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

اب شالو اٹھا اور گھر کے اندر آگیا... اس نے دیکھا... بیگم جمشید ٹرے اٹھائے ادھر ہی آرہی تھیں... اسے دیکھ کر وہ ساکت رہ گئیں:

''کک ... کیا مطلب ؟''

''ٹرے صحن کی میز پر رکھ دیں... اور کرسی پر بیٹھ جائیں۔'' اس نے اسی آواز میں حکم دیا جس میں ان دونوں کو حکم دیا تھا۔ وہ بھی مشینی انداز میں کرسی پر بیٹھ گئیں۔ اس نے انہیں بھی اسی طرح ہدایات دیں ... پھر ڈرائنگ روم کی طرف آیا:

'' کیا حال ہے ان کا۔''

'' یہ ساکت ہیں مسٹر شالو۔''

'' بہت خوب ... ادھر خاتون بھی ساکت ہیں، لیکن منو ہمیں یہ معلوم نہیں کہ انسپکٹر جمشید کب واپس آجائے لہٰذا ہمیں اپنا کام جلد از جلد



کرنا ہے ...ویسے اگر وہ آ بھی گیا تو فیمو اور ساکی اس سے نمٹ ہی لیں گے۔''

'' اوکے شالو۔''

اور پھر دونوں دوبارہ ڈرائنگ روم میں آگئے... انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ وہاں سے نکل کر انسپکٹر جمشید والے کمرے میں داخل ہوگئے اور وہاں اپنا کام کرتے رہے ... اس طرح انہیں لگ بھگ آدھا گھنٹہ لگ گیا... اب وہ بیگم جمشید کے پاس آئے:

'' ہم جا رہے ہیں... ہمارے جانے کے پندرہ منٹ بعد تم معمول پر آؤ گی۔''

یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم میں آئے... ان سے بھی شالو نے یہی کہا اور باہر نکل گیا۔ پندرہ منٹ بعد محمود اور فاروق کے جسموں میں حرکت ہوئی۔ ایک منٹ بعد بیگم جمشید نے حرکت کی ... پھر ان کے منہ سے نکلا: '' ارے! یہ کیا۔''

انہوں نے دیکھا سارا ڈرائنگ روم الٹ پلٹ پڑا تھا... گویا اس کی اچھی طرح تلاشی لی گئی تھی... وہ دوڑ دوڑ کر باقی کمروں میں گئے، لیکن صرف انسپکٹر جمشید کا کمرہ الٹ پلٹ نظر آیا۔ یعنی بس ان دو کمروں کی تلاشی لی گئی تھی:

''یہ... یہ دونوں کس چیز کی تلاش میں آئے تھے۔''

''یہ تو اب دیکھنا ہوگا۔''

انہوں نے اپنی چیزوں کو چیک کرنا شروع کیا... بہت باریک بینی سے انہوں نے یہ کام کیا، لیکن کوئی چیز غائب نظر نہ آئی... آخر محمود نے اپنے والد کے نمبر ملائے... انہوں نے فوراً جواب دیا:

''ہاں محمود... کیا بات ہے۔''

''ہمارے گھر میں ایک پراسرار واردات ہو گئی ہے۔''

''کیا کہا۔'' وہ حیران ہو کر بولے۔

''جی ہاں! تفصیل سنیے۔''

اور پھر اس نے تفصیل سنا دی... اس کے خاموش ہونے پر وہ بولے:

''حیرت ہے... سو فیصد دوسری واردات... میں آرہا ہوں۔''

''جی... کیا مطلب؟'' دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، لیکن انسپکٹر جمشید کا فون بند ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆



## اوہ

فرزانہ نے صوفیہ کی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر گھنٹی بجائی... اسے باہر کوئی گارڈ نظر نہیں آیا حالانکہ یہاں ہر وقت گارڈ موجود ہوتے تھے۔ اس پر اسے حیرت بھی ہوئی تھی۔ صوفیہ کے والد نجم الدین نعمانی ایک بڑے سرکاری افسر تھے۔ دروازے پر ہر وقت دو سرکاری گارڈ ڈیوٹی دیتے تھے یعنی آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی کے بعد دوسرے دو گارڈ آجاتے تھے۔

جلد ہی قدموں کی آواز سنائی دی... اور صوفیہ کی صورت دکھائی دی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا دی:

''میں تمھاری ہی راہ دیکھ رہی تھی فرزانہ۔''

''ہوں! لیکن یہ کیا صوفیہ... گارڈ کیا ہوئے۔''

''اندر آجاؤ... بتاتی ہوں۔'' اس کے لہجے سے پریشانی جھانک رہی تھی۔

کوٹھی حد درجے شاندار تھی... اس کے والد وزیر تو نہیں تھے...

صوبائی وزارتِ داخلہ کے اہم افسر ضرور تھے ... انہیں بہت سی سرکاری سہولتیں حاصل تھیں... کوٹھی بھی سرکاری تھی۔ اس کی آن بان اور شان ہی اور تھی... اندر داخل ہوتے ہی دونوں طرف لمبے چوڑے باغ نظر آتے تھے... درختوں کے باغ... اور پھولوں کے پودے... ان گنت قسموں کے پھول لہلہاتے نظر آتے تھے۔

صوفیہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا:

'' بہت زیادہ پریشان نظر آرہی ہو صوفیہ۔'' فرزانہ نے اسے پریشان نظروں سے دیکھا۔

'' ہاں فرزانہ! بات ہی ایسی ہے۔''

دونوں صوفے پر ساتھ بیٹھ گئیں... اسی وقت ملازم اندر داخل ہوا اور ایک ٹرے رکھ کر چلا گیا... ٹرے میں پھل تھے... صوفیہ نے ٹرے اس کے قریب کر دی... فرزانہ نے پھلوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی... اسے تو تفصیل جاننے کی بے چینی لگ گئی تھی:

'' پہلے تفصیل صوفیہ۔''

'' اوہ اچھا ... دو دن پہلے ... رات کو کوٹھی میں تین آدمی داخل ہوئے تھے... انہوں نے چہرے کپڑے سے چھپائے ہوئے تھے۔''

'' کیا ...'' مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔



'' ہاں فرزانہ ... انہوں نے بابا جان کے کمرے کی تلاشی لی تھی اور ڈرائنگ روم کی بھی... اس کام میں انہوں نے تقریباً دو گھنٹے لگائے تھے ... اور پھر وہ چلے گئے تھے۔''

'' کیا وہ نقدی اور زیورات وغیرہ لے گئے؟''

'' نہیں... کچھ بھی نہیں لے گئے ... نقدی اور زیورات کو تو انہوں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ وہ کسی چیز کی تلاش میں تھے... حیرت یہ ہے کہ انہوں نے سیکورٹی الارم اور کلوز سرکٹ کیمروں کے سسٹم کو بالکل جام کر دیا تھا... وہ اندر داخل کس طرح ہوئے ... یہ بھی معلوم نہیں... کیا لے گئے، نہیں معلوم ... اس سے زیادہ عجیب بات ہے کہ بابا نے پولیس کو فون نہیں کیا... حالانکہ انہیں تو فوراً پولیس کو بلانا چاہیے تھا... ہم سب نے کہا بھی کہ پولیس کو بلائیں... لیکن جواب میں انہوں نے کہا، کوئی ضرورت نہیں ... جب ہماری کوئی چیز گئی ہی نہیں۔''

اس پر سب خاموش ہو گئے... لیکن میری پریشانی بہت بڑھ گئی ہے ... اس دن سے بابا جان بہت پریشان ہیں ... اگر کوئی چیز گئی نہیں تو پھر وہ پریشان کیوں ہیں۔''

''ہوں... لیکن صوفیہ ... اگر تمہارے والد تحقیقات نہیں کرانا چاہتے تو بھلا میں یا ہم اس سلسلے میں کیا کر سکیں گے ...اور ہم کوئی کام

کریں گے بھی کیسے ... میرا مطلب ہے ... ہم ان سے چھپا کر کچھ نہیں کر سکتے ... اس سلسلے میں تو انہی سے سوالات کرنے ہوں گے ۔''

'' ہوں... یہ خیال مجھے بھی آیا تھا... پھر میں نے سوچا، چلو تم کوئی مشورہ ہی دو گی ۔''

'' خیر... پہلے یہ بتاؤ... گارڈ کیوں نظر نہیں آ رہے ۔''

'' قاعدہ یہ ہے کہ پہلے دو گارڈ آتے ہیں، تب وہ دو جاتے ہیں، جو ڈیوٹی پر موجود ہوتے ہیں... آج اپنی چھٹی سے کچھ دیر پہلے ان دونوں نے ممی کو بتایا کہ انہیں اچانک کوئی کام آ پڑا ہے... اس لیے وہ جانا چاہتے ہیں ... ممی نے انہیں جانے کی اجازت دے دی ... اس خیال سے کہ ایک دو گھنٹے کی بات ہے ... چار بجے تک دوسری شفٹ والے آ ہی جائیں گے ... لیکن وہ بھی نہیں آئے... انہیں فون کیا گیا تو ان کے فون بھی بند تھے ...اب پہلے والوں کو فون کیا ... ان کے فون بھی بند ملے ... اب رہ گئے وہ جو رات کو آئیں گے ... انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے ڈیوٹی ٹائم یعنی رات بارہ بجے تک ضرور آ جائیں گے ۔''

'' تب معاملہ سنگین ہے ...ان حالات میں تو آپ کے بابا کو فوراً اس معاملے کو پولیس کے علم میں لانا چاہیے ۔ میں ان سے بات کرتی ہوں۔''



'' اس طرح وہ تمہیں تو کچھ نہیں کہیں گے ... تمہارے جانے کے بعد مجھ پر ضرور بگڑیں گے ۔''

'' تب پھر اس کا ایک ہی حل ہے ۔''

'' اور وہ کیا ؟''

'' میں ابا جان کو سارے حالات سنا دیتی ہوں... دیکھتے ہیں ، وہ کیا مشورہ دیتے ہیں۔''

'' یہ ٹھیک رہے گا ۔''

اب فرزانہ نے اپنے ابا جان کے نمبر ملائے ... سلسلہ فوراً ہی مل گیا ... ساتھ ہی انہوں نے کہا:

'' حالات بہت تیزی سے پیش آ رہے ہیں ... ابھی ابھی محمود کا فون آیا تھا گھر سے ... اور میں بھی گھر کی طرف روانہ ہو چکا ہوں ۔''

'' کیا ادھر بھی کوئی گڑبڑ ہے ۔''

'' گڑبڑ ہو چکی ہے ۔''

''اوہ ... وہاں کیا ہوا ہے ابا جان !''

'' پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... ہر طرح خیریت ہے... پہلے تم بتاؤ... ادھر کیا مسئلہ ہے۔''

'' میں اس وقت اپنی سہیلی صوفیہ کے گھر میں ہوں ... اس کے

والد کا نام نجم الدین نعمانی ہے ... جی ہاں وہی جو صوبائی وزارتِ داخلہ کے سیکرٹری ہیں ... صوفیہ نے اپنے گھر میں پیش آنے والے ایک واقعے کے سلسلے میں مجھے بلایا تھا ... لیکن معاملہ پراسرار محسوس ہو رہا ہے ... ''

'' اچھا! ... کیا معاملہ ہے؟ ''

'' تو پھر سنیے۔'' اس نے جلدی جلدی تفصیل سنا دی ...

اس کے خاموش ہوتے ہی وہ بولے:

'' میں سمجھ گیا ... صوفیہ سے کہہ دو ہم اس معاملے کو دیکھیں گے ... لیکن میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں ... تم فوری طور پر گھر پہنچو۔''

ان کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی ... فرزانہ اچھل کر کھڑی ہوئی ... اس نے صوفیہ سے صرف اتنا کہا:

'' ابا جان کہتے ہیں ... وہ اس معاملے کو دیکھیں گے ... اور انہوں نے مجھے اسی وقت گھر واپس بلایا ہے۔''

اتنا کہتے ہی اس نے باہر کا رخ کیا اور ایک ٹیکسی پکڑ کر گھر پہنچ گئی۔ ٹیکسی سے اتر کر اس نے دستک دی ... محمود نے دروازہ کھول دیا اور حیران ہو کر بولا:

'' حیرت ہے ... تم اتنی جلدی واپس آگئیں۔''

'' کیا گڑبڑ ہوگئی محمود گھر میں ... ابا جان نے مجھے کہا تھا کہ میں



اسی وقت گھر واپس چلی جاؤں۔'' اس نے خوف کے عالم میں کہا۔

محمود نے دروازہ بند کردیا ... اب فرزانہ نے پوچھا:

'' پہلے یہ بتاؤ ... یہاں کیا واقعہ پیش آیا ہے۔''

'' تمہیں کیسے پتا چلا۔'' فاروق نے اسے گھورا۔ وہ اسی وقت اندرونی کمرے سے نکل کر ان کی طرف آیا تھا۔

'' میں نے ابا جان سے مشورہ لینا چاہا تھا ... انہوں نے بتایا کہ ہمارے اپنے گھر میں بھی ایک واردات ہوگئی ہے ... لہٰذا تم فوراً ادھر آجاؤ ... سو میں آگئی ... اب تم جلدی سے تفصیل سنا دو۔''

'' اچھی بات ہے۔'' محمود نے کہا اور تفصیل سنا دی۔

'' ن ... نہیں ... نہیں۔'' فرزانہ اچھل پڑی۔

'' کیا ہوا ... خیر تو ہے۔''

'' صوفیہ کے گھر میں بھی بالکل ایسی ہی واردات ہوئی ہے۔''

'' کیا !!! '' وہ دونوں چلا اٹھے۔

ایسے میں دروازے کی گھنٹی بج اٹھی تھی ... انداز انسپکٹر جمشید کا تھا ... ان کے چہروں پر اطمینان پھیل گیا۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا ... وہ انہیں دیکھ کر مسکرائے، پھر بولے: '' لائبریری میں چلتے ہیں ... بیگم تم چائے لائبریری میں لے آؤ ... ''

''اچھی بات ہے۔''

اب وہ لائبریری میں آ بیٹھے... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''میں نے گھر والی واردات سن لی... فرزانہ کی سہیلی صوفیہ کے گھر ہونے والی واردات بھی سن لی... اب تم لوگ زاہد نسیم ابدالی کے گھر میں ہونے والی واردات کے بارے میں بھی سن لو... یہ بھی وزارت داخلہ کے ایک بڑے سرکاری افسر ہیں۔''

''جی سنا ہے۔''

انہوں نے تفصیل سنا دی... ان تینوں کے چہروں پر بلا کی حیرت دوڑ گئی... فرزانہ بڑبڑانے کے انداز میں بولی:

''تب پھر آپ نے کیا سوچا ہے... یہ کیا چکر ہے۔''

''پہلے ہم اپنے گھر کی تلاشی لیں گے... دیکھیں گے کہ وہ کچھ لے گیا ہے یا نہیں۔''

''ہم چیک کر چکے ہیں... کوئی چیز نہیں گئی۔''

''میں بھی اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔''

''چلیے پھر۔''

وہ پہلے ڈرائنگ روم میں آئے... پورے ڈرائنگ روم کی بہت اچھی طرح تلاشی لی گئی... یہاں سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں



آئے اور تمام چیزوں کو چھان پھٹک کر دیکھا... آخر انہوں نے کہا:

''کوئی چیز گم نہیں ہے۔''

''تب پھر ان وارداتوں کا مقصد؟'' فاروق نے سوال کیا۔

''اور وارداتیں بھی ایک دو نہیں... پوری تین... زاہد نسیم ابدالی کے ہاں ہوئی، ہمارے ہاں ہوئی اور نجم الدین نعمانی کے ہاں ہوئی... بالکل ایک جیسی وارداتیں... ان میں گھر کی کوئی چیز چرائی نہیں گئی... لیکن کچھ تو ہے ان واقعات کے پیچھے۔'' فرزانہ کہتی چلی گئی۔

''کیا تمہارے پاس اس سوال کا جواب ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے محمود کی طرف دیکھا۔

''ہمیں سوچنے کی مہلت دیں ابا جان۔'' محمود مسکرایا۔

''ٹھیک ہے... تم بھی غور کرو اور میں بھی غور کرتا ہوں۔''

اس کے بعد چاروں سوچ کے سمندر میں اتر گئے... آخر کچھ دیر کے بعد فرزانہ نے کہا:

''ابا جان! کیا آپ سے ایک بات پوچھ سکتی ہوں... اس کے بعد میں آپ کے سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گی۔''

''ہاں پوچھو۔''

''آپ نے اچانک خطرہ کیوں محسوس کیا تھا۔''

'' زاہد نسیم ابدالی نے ابھی واردات کے بارے میں بتانا شروع
ہی کیا تھا کہ محمود کا فون آ گیا... اس نے گھر میں ہونے والی واردات
کے بارے میں بتایا... وہ بھی بالکل ویسی ہی واردات تھی ... ایسے میں
تم نے فون پر نجم الدین صاحب کے گھر میں ہونے والی واردات کے
بارے میں بتایا ... لہٰذا فوری طور پر ذہن میں یہی بات آتی ہے کہ یہ
کوئی خوفناک چکر ہے ... اور کہیں ہم اس چکر کی لپیٹ میں نہ آ جائیں
... تم تو وہاں تھیں بھی اکیلی ، یعنی محمود اور فاروق ساتھ نہیں تھے... اور
ادھر نجم الدین صاحب اس سلسلے میں کسی سے بات کرنے کے لیے تیار
نہیں تھے ... بس ان حالات میں میرا خطرہ محسوس کرنا قدرتی بات
تھی...''

'' چلیے یہ تو ہوا ... لیکن کیا اب آپ ابدالی صاحب کے گھر
جائیں گے ... کیونکہ آپ نے بتایا تھا کہ محمود کا فون ملنے کے بعد آپ
ان سے ملاقات ادھوری چھوڑ کر وہاں سے چل پڑے تھے ۔''

'' مجھے جانا تو ہے... ۔''

'' پھر آپ کب جائیں گے وہاں۔''

'' بس ابھی چلتے ہیں... لیکن پہلے تم ان وارداتوں کے مقصد
کے حوالے سے اپنا اپنا خیال بتا دو ۔''



'' تو پھر سنیے ! میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اس نامعلوم شخص کو
کسی خاص چیز کی تلاش ہے ... اور غالباً ابھی تک وہ چیز نہیں ملی...
اسے جس جس گھر میں اس چیز کے ملنے کی امید ہے ... وہ وہیں وہیں
یہ واردات کر رہا ہے ۔''

'' اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔'' فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

'' تب پھر جتنی بات ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، وہ تم ہی بتا دو۔''
فرزانہ چڑ کر بولی۔

'' ہاں کیوں نہیں... جن گھروں میں اس نے وارداتیں کی
ہیں... ان گھروں میں اسے کسی چیز کی تلاش نہیں تھی ، بلکہ ...'' فاروق
کہتے کہتے رک گیا اور فرزانہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

'' کیا بات ہے ... رک کیوں گئے ۔'' محمود نے اسے گھورا۔

'' بلکہ اس نے ان تینوں گھروں میں ہونے والی بات چیت سننے
کیلئے سراغرسانی کے خفیہ آلات یعنی ٹرانسمٹر وغیرہ نصب کیے ہیں۔''

'' کیا!!!'' ان تینوں کے منہ سے نکلا... ان کے چہروں پر حیرت
پھیل گئی... پھر انسپکٹر جمشید نے پرجوش انداز میں کہا:

'' اس بات کا زبردست امکان ہے ... ٹھہرو۔''

اور پھر پروفیسر داؤد کے نمبر ملائے ... سلسلہ ملنے پر فوراً بولے:

'' السلام علیکم پروفیسر! ہمارے گھر پر آپ کی فوری ضرورت پیش آگئی ہے ... آپ ذرا فوراً یہاں آجائیں... بہت ضروری کام ہے ... اور جاسوسی کے ننھے منے خفیہ آلات کا سراغ لگانے کا سامان ساتھ لے کر آئیں، خیال ہے کہ ہمارے گھر میں جاسوسی آلات نصب کیے گئے ہیں... اس کے بعد شاید ہم ایک دو اور گھروں میں بھی جائیں گے۔''

'' فکر نہ کرو جمشید ... سمجھ لو ... میں پہنچ گیا۔''

'' یہ ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں، جب کہ ابھی آپ یہاں پہنچے نہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

'' ٹھیک ہے... تھوڑی دیر بعد سمجھ لینا۔'' دوسری طرف سے ہنس کر کہا گیا اور فون بند ہوگیا۔

جلد ہی وہ آگئے ... ان کے ساتھ ان کے دو ماتحت بھی تھے انہوں نے اپنا کام شروع کردیا ... ان کے پاس کئی جدید نوعیت کے آلات تھے ... ایسے بھی جو محمود، فاروق، فرزانہ نے کبھی نہیں دیکھے تھے ... ان آلات کی مدد سے انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا... ڈرائنگ روم اور انسپکٹر جمشید کے بیڈ روم کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ... اس دوران ان آلات سے کبھی ٹوں ٹوں کی آواز ابھرتی اور کبھی گھڑی کی سوئیوں کی ٹِک ٹِک سے ملتی جلتی ...



پروفیسر داؤد بغور اپنے ماتحتوں کی کارروائی پر نظر رکھے ہوئے تھے ... آخر ایک گھنٹے کی صبر آزما مشقت کے بعد ماتحتوں نے اپنا کام مکمل کر لیا ... پھر ایک نے بیگ کھول کر اپنا لیپ ٹاپ کمپیوٹر نکالا اور ایک چھوٹا سا لیزر پرنٹر بھی ... باری باری تمام آلات کو ڈیٹا کیبل کے ذریعے لیپ ٹاپ سے منسلک کرکے آلات میں ریکارڈ شدہ data ایک سافٹ ویئر کے ذریعے کمپیوٹر پر منتقل کیا اور پھر اس کے پرنٹ نکالنے شروع کیے...

چند ہی منٹوں میں بارہ صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ پروفیسر داؤد کے ہاتھ میں تھی اور وہ ناک کی نوک پر چشمہ چڑھائے اس پر صفحہ بہ صفحہ نظریں دوڑا رہے تھے ...کمرے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی ... انسپکٹر جمشید سمیت وہ سب پروفیسر صاحب کی طرف سے کسی نتیجے کا انتظار کر رہے تھے ... پروفیسر داؤد کی محویت میں معمولی سا وقفہ اس وقت آتا تھا جب وہ اپنے سامنے پلیٹ میں رکھے سموسوں میں سے ایک اور اٹھانے کیلئے ہاتھ بڑھاتے تھے ... اور پھر ...

ان کے منہ سے نکلا :

'' اوہ ... اوہ ۔''

☆☆☆☆☆

# حیرت

وہ چونک کر ان کی طرف مڑے۔ پروفیسر داؤد کے چہرے پر جوش تھا:

"اللہ کا شکر ہے ... آپ نے اوہ اوہ تو کہا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

اسی وقت پروفیسر داؤد نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے اور کمرے سے باہر نکل آنے کا اشارہ کیا ... وہ سب باہر ٹی وی لاؤنج میں آکر جمع ہوگئے ... اب پروفیسر بولے:

"تمہارے گھر میں... جمشید واقعی سراغرسانی کیلئے ایک ملی میٹر سائز کے نہایت ہی چھوٹے ٹرانسمیٹر نما آلات نصب کیے گئے ہیں...ان کے ذریعے اس گھر میں ہونے والی بات چیت کسی جگہ صاف طور پر سنی جا رہی ہے ... آلات بہت مہارت سے لگائے گئے ہیں... بس یوں سمجھ لو ... میں بھی انہیں مشکل سے تلاش کر سکا ہوں۔"



"اچھا تو اسی لئے آپ نے ہمیں ڈرائنگ روم سے باہر چلنے کا اشارہ کیا تھا کہ ہم کمرے میں جو بات چیت کریں گے وہ کہیں اور سنی جارہی ہوگی اور اس طرح دشمن جان جائیں گے کہ ہم ان کے ٹرانسمیٹروں کو پکڑنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔"

"بالکل یہی بات ہے ... اور اب ہم واپس ڈرائنگ روم میں جائیں گے اور میں تم کو ایک اور ڈیوائس کے ذریعے یہ خفیہ ٹرانسمیٹر دکھاؤں گا ... خیال رہے کہ ڈرائنگ روم میں جا کر ہم آپس میں بات چیت نہیں کریں گے۔"

یہ کہہ کر پروفیسر داؤد نے اپنے ایک ماتحت سے کچھ کہا ... اس نے اپنا بیگ کھولا اور ایک چھوٹی سی خوردبین (مائیکرو اسکوپ) نکال کر ان کی طرف بڑھائی ... انہوں نے اسے ہاتھ میں لیا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے ... ایک کے بعد ایک اس میں نصب دو بٹن دبائے ... خوردبین سے منسلک ایک تین انچ کی چوکور LED اسکرین روشن ہوگئی ...پھر انہوں نے اسٹیتھواسکوپ کی طرح کا ایک آلہ نکال کر ایک صوفے کی پشت پر رکھ کر اس پر ہلکا سا دباؤ ڈالا ... اگلے ہی لمحے اسکرین پر ایک تکون نما نیلے رنگ کا اسٹیپلر کی پن جیسا ٹکڑا نمودار ہوگیا:

"یہ دیکھو! یہ ہے وہ ٹرانسمیٹر ..." انہوں نے اشاروں میں بتایا۔

پھر باہر آ کر بولے: ''ایسے چار ٹرانسمیٹر تمہارے ان دو کمروں میں چھپائے گئے تھے۔''

''کہیں آپ کا اندازہ غلط تو نہیں۔''

''نہیں جمشید ... سو فیصد درست ہے۔''

''اور کیا آپ اس جگہ تک پہنچ سکتے ہیں... جہاں ان آلات کے سگنل وصول کرنے والے آلات یعنی ان کے رسیونگ سیٹ رکھے گئے ہیں۔''

''میرا نہیں خیال کہ ایسا ممکن ہوگا ... البتہ یہ جاننے کیلئے ان ٹرانسمیٹروں کا تفصیلی تجزیہ کرنا ہوگا ... ہر ٹرانسمیٹ اپنی مخصوص فریکوئنسی پر کام کرتے ہیں اور چونکہ ہمارے اطراف لاتعداد فریکوئنسیاں بکھری پڑی ہیں لہٰذا اصل فریکوئنسی تک پہنچتے پہنچتے مہینوں لگ سکتے ہیں۔''

''اوہ...'' ان کے منہ سے نکلا۔

''ان آلات کو ضائع تو کر سکتے ہیں نا ہم۔'' فرزانہ بولی۔

''ہاں کیوں نہیں۔''

اور پھر انہوں نے ان آلات کو بیکار کر دیا۔

''اب آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہے... زاہد نسیم ابدالی کے ہاں۔''

''وہ جو سیکرٹری ہیں وزیرِ اعلیٰ کے۔'' انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں! وہی۔''



''تو کیا ان کے گھر میں بھی ایسا کیا گیا ہے۔''

''شک تو یہی ہے ... ویسے اسی انداز میں اور ایک گھر میں بھی کارروائی کی گئی ہے۔''

''وہ گھر کس کا ہے۔''

''نجم الدین نعمانی کا۔''

''اوہ ... ان کا تعلق بھی امور داخلہ سے ہے۔''

''ہائیں ...ابدالی اور نعمانی دونوں کا تعلق امور داخلہ سے ہے ... کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے۔''

''لیکن پروفیسر انکل! ہمارا تو نہیں ہے۔'' محمود مسکرایا۔

''لیکن تم ان لوگوں کیلئے خطرناک ہو۔''

''اچھی بات ہے۔''

اور پھر وہ دوبارہ زاہد نسیم ابدالی کے مکان پر پہنچ گئے۔ابدالی صاحب نے اپنے گارڈز کو ان کے متعلق ہدایات دے رکھی تھیں... لہٰذا انہیں فوراً اندر پہنچا دیا گیا۔انسپکٹر جمشید نے پروفیسر داؤد اور بچوں کا ان سے تعارف کرایا... زاہد نسیم ان سے بھی گرم جوشی سے ملے:

''اس وقت بات درمیان میں رہ گئی تھی ... اور مجھے اچانک ایک ضروری کام سے جانا پڑ گیا تھا... مہربانی فرما کر جو کچھ بھی آپ کے

ساتھ پیش آیا... تفصیل سے بیان کر دیں۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔''

اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد انہوں نے تفصیل سنا دی... انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

'' کہیں آپ کو ایسا محسوس تو نہیں ہوا کہ سیاہ پوش نے آپ کو اس دوران اس دوران ہپناٹائز کر کے آپ سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی ہو۔''

'' اگر اس نے ایسا کیا بھی ہوگا تو مجھے اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔'' ابدالی مسکرائے۔

انسپکٹر جمشید اس کا جواب سن کر خاموش ہو گئے... لیکن وہ بدستور ابدالی کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے... بظاہر ان کا سوال ہی بے معنی تھا اور ان کے ساتھی بھی اس پر حیرانی محسوس کر رہے تھے کہ انسپکٹر جمشید نے ایسا سوال کیوں کیا جس کا جواب وہ خود بھی جانتے تھے:

'' آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جیسی واردات آپ کے ہاں ہوئی ہے... بالکل ویسی ہی واردات ایک اور گھر میں بھی ہو چکی ہے۔''

'' جی... کیا مطلب؟'' زاہد نسیم ابدالی بری طرح چونکے۔

'' جی ہاں! پرسوں رات بالکل ایسی واردات نجم الدین نعمانی کے گھر کی گئی ہے۔''



'' کیا... نہیں۔'' وہ اچھل پڑے۔

'' آپ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ ان کا بھی تعلق امور داخلہ سے ہے۔''

'' جی ہاں! لیکن وہ نہیں چاہتے کہ اس واردات کے سلسلے میں کچھ کہا جائے... اس لیے انہوں نے پولیس یا انٹیلیجنس بیورو کو اطلاع نہیں دی۔''

''یہ اور زیادہ عجیب بات ہے۔''

''جی ہاں! لیکن اب ہمیں وہاں جانا پڑے گا... کیونکہ یہ معاملہ حد درجے حساس نوعیت کا نظر آرہا ہے... ایسا لگتا ہے کہ آپ کی سرکاری حیثیت سے اس کا گہرا تعلق ہے۔''

'' اوہ! یہ بہرحال ممکن ہے۔''

'' اس کے علاوہ ہم ایک اور نظریئے سے بھی آپ کے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

'' کیا مطلب؟ کس نظریئے سے...''

'' دراصل ہمیں شک ہے کہ واردات کی آڑ میں آپ کے گھر میں جاسوسی آلات چھپائے گئے ہیں۔''

'' جاسوسی آلات؟''

نسیم ابدالی کے چہرے پر زمانے بھر کی حیرت ابھر آئی تھی۔

"جی ہاں! میں نے یہی کہا ہے ... دراصل ہم اس واردات کو قومی سلامتی کے حوالے سے بھی دیکھ رہے ہیں۔"

"ارے باپ رے ..." اس بار وہ اور بھی اونچا اچھلے۔

"اور اب تلاش کریں گے ... انہوں نے آلات کہاں کہاں نصب کیے ہیں۔ پہلے یہ سن لیں کہ ان آلات کے ذریعے آپ کے گھر میں ہونے والی بات بخوبی سنی جا سکتی ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

اور پھر پروفیسر داؤد کی ٹیم نے اپنا کام شروع کیا ... اور پھر چند ہی منٹ بعد وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے اور انہوں نے ڈرائنگ روم میں اور زاہد نسیم صاحب کے کمرے میں نصب آلات انہیں دکھا دیے ... یہ بھی بالکل ویسے ہی تھے جیسے ان کے اپنے گھر سے ملے تھے ... اور پھر اسی طرح ان آلات کو بھی ناکارہ کر دیا گیا ...

O

وہاں سے روانہ ہو کر یہ پورا قافلہ نجم الدین نعمانی کے گھر پہنچا۔ وہ ان سب ایک ساتھ دیکھ کر حیران ہوئے۔

"فرمائیے... کیسے آنا ہوا۔"



"زاہد نسیم ابدالی صاحب سے آپ واقف ہی ہوں گے، ان کا تعلق بھی مملکت کے امورِ داخلہ سے ہے ... ان کے گھر میں ایک واردات ہوئی ہے۔"

"کیا کہا ..." وہ بری طرح چونکے۔ پھر سنبھل کر بولے:

لیکن اس سے میرا کیا لینا دینا ... کیا آپ مجھے یہی بتانے آئے ہیں... وارداتیں تو اس شہر میں روزانہ درجنوں ہوتی ہیں ... اور بہتیرے سرکاری افسران ان کی زد میں آتے ہیں۔"

"اگر آپ مجھے مختصر طور پر بتانے کا موقع دیں تو شاید آپ اندازہ لگا سکیں کہ کہیں نہ کہیں آپ سے بھی اس واردات کا دور کا رشتہ ہے۔"

نجم الدین نعمانی صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر خاموش ہوگئے ... جیسے کہہ رہے ہوں "اچھا... بتائیں۔"

انسپکٹر جمشید بھی ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور پھر جوں جوں انہوں نے تفصیل سنائی... نعمانی کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں... انسپکٹر جمشید کی بات ختم ہوئی تو آخر انہوں دھیمے لہجے میں کہا:

"ایسی واردات تو پھر میرے گھر میں بھی ہوئی ہے ... اور آپ یقیناً اس بات سے واقف ہیں ...ورنہ سیدھے میرے پاس کیسے چلے آتے ... بہرحال ... لیکن چونکہ کوئی چیز چرائی نہیں گئی تھی ... اس لیے

میں نے رپورٹ بھی درج نہیں کرائی تھی ... لیکن مجھے حیرت ہے آپ کی
معلومات پر ... اس کا مطلب ہے کہ ہمارے سراغرسانی کے ادارے اپنی
آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔''

انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کی طرف دیکھا ... وہ مسکرا کر رہ گئی ...
کیونکہ یہ بات اسے نعمانی صاحب کی بیٹی صوفیہ نے بتائی تھی ... فرزانہ
نے سوچا کہ یہ اچھا ہوا کہ نعمانی صاحب نے پوچھا ہی نہیں کہ بات ان
تک کیسے پہنچی ... ورنہ اگر وہ پوچھ لیتے تو اسے سچ بولنا ہی پڑتا کہ صوفیہ
نے اسے بتایا تھا ...

'' چیز جانے کی تو بات تو رہی ایک طرف ... ہمارا خیال ہے کہ
وہ تو آپ کے گھر میں جاسوسی کے آلات نصب کر کے گیا ہے ... جیسا
کہ ابدالی صاحب کے گھر میں بھی کیا گیا تھا۔''

'' کیا کہا۔'' ایک بار پھر نعمانی صاحب حیران رہ گئے۔

'' اور اس سلسلے میں ہم ان جاسوسی کے آلات کا پتا لگا کر ان کو
ضائع کر دینا چاہتے ہیں ... کیونکہ ضائع نہ کرنے کی صورت میں وہ آپ
کی بات چیت سنتے رہیں گے اور اس طرح حساس سرکاری راز ان کے
ہاتھ لگ جانے کا امکان ہے ... یہی کام ابھی ہم ابدالی صاحب کے گھر
سے کر کے آ رہے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے جان بوجھ کر اپنے گھر ہونے



والی واردات کا ذکر گول کر دیا۔

'' خوشی سے تلاش کریں اور ضائع کریں... پہلے تو میں اور وجہ
سے پریشان تھا ... دراصل میں جاننا چاہتا تھا کہ اس واردات کا مقصد کیا
ہے ... مقصد سمجھ میں آ نہیں رہا تھا۔''

'' بہت خوب! شکریہ۔''

اب پروفیسر صاحب کی ٹیم نے اپنی ٹیکنالوجی کی مدد سے یہاں
بھی چیکنگ شروع کی، اور یہاں بھی ڈرائنگ روم اور نجم الدین نعمانی
کے بیڈ روم میں سے آلات مل گئے۔ ان کو دیکھ کر نجم الدین کی آنکھیں
حیرت سے پھیل گئیں:

'' حیرت ہے... کمال ہے۔''

'' اللہ کا شکر ادا کریں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

'' بالکل! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔''

'' ہو سکتا ہے کہ تفتیش کے سلسلے میں آپ کو بار بار زحمت دینی
پڑے ... اور آپ کے گھر آنا پڑے۔''

'' ضرور کیوں نہیں ... میری عزت افزائی ہوگی۔'' نعمانی صاحب
نے پرتپاک لہجے میں کہا۔

'' ویسے میں تو پہلے بھی آپ کے گھر آ چکی ہوں ... صوفیہ میری

کلاس فیلو ہے۔"

"بھئی بہت خوب ..."

پھر رسمی گفتگو کے بعد انہوں نے اجازت چاہی۔ وہاں سے ان کا ارادہ گھر جانے کا تھا... پروفیسر داؤد بھی اپنی ٹیم کے ساتھ تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن جاتے جاتے گاڑی روک کر آواز لگائی:

"بھابھی سے کہنا جمشید ...میرے لئے سموسے تیار کر کے رکھیں ... میں بہت جلد کھانے آؤں گا ... بھئی واہ! بڑے ہی مزیدار سموسے تھے۔"

پھر وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

O

راستے میں اچانک فرزانہ کو ایک بات یاد آئی... اس نے چونک کر کہا: "میں آپ کو نجم الدین صاحب کے گارڈز کے بارے میں بتانا تو بھول ہی گئی۔"

"اور وہ کیا ہے۔"

"دروازے پر ہر وقت دو گارڈز ہوتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی آٹھ گھنٹے ہوتی ہے، دو صبح آٹھ بجے آتے ہیں، وہ چار بجے تک رہتے ہیں، چار بجے دوسرے آجاتے ہیں ... وہ رات کو بارہ بجے تک رہتے



ہیں... رات کو بارہ بجے آنے والے صبح آٹھ بجے تک رہتے ہیں۔ آج صبح سے دوپہر کی ڈیوٹی والے گارڈز نے ڈیوٹی اوقات ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے بیگم نعمانی سے کہا تھا کہ انہیں ایک اچانک کام آ پڑا ہے، انہوں نے جانے کی اجازت دے دی کہ ابھی تھوڑی دیر تک دوسرے آجائیں گے، لیکن دوسرے بھی نہیں آئے... بس مجھے یہ بات عجیب لگی تھی۔"

"تم صوفیہ کو فون کرو، اس سے پوچھو... چار بجے والے آئے ہیں یا نہیں۔"

"جی اچھا۔"

فرزانہ نے اس کے نمبر ملائے... سلسلہ ملنے پر بولی:

"السلام علیکم صوفیہ! شام والے گارڈز آئے یا نہیں۔"

"دو میں سے ایک گارڈ آیا ہے ... دوسرا غائب ہے اور اس سے رابطہ بھی نہیں ہو رہا ہے! بابا جان کو بھی اس بات پر حیرت ہے... ویسے انہوں نے اپنے دفتر اس بات کی اطلاع دے دی ہے۔"

اب موبائل انسپکٹر جمشید نے لے لیا اور بولے:

"معاملہ حد درجے بگڑتا جا رہا ہے صوفیہ بیٹا ... آپ اپنے والد صاحب سے کہیں کہ وہ ان تینوں گارڈز کے رہائشی پتے اور سیل فون نمبر ہمیں مہیا کر دیں ... یعنی وہ ایک جو ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہوا اور وہ دونوں

جو اجازت لے کر جلدی چلے گئے تھے۔''

'' سیل فون کے ذریعے تو بابا خود ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کر چکے ہیں، لیکن نہیں ہو سکا۔''

'' کچھ یاد ہے کہ جس رات آپ کے گھر میں سیاہ پوش داخل ہوا تھا... اس رات ڈیوٹی پر کونسے دو گارڈ تعینات تھے...''

'' یہی دو تھے انکل... جو آج صبح چھٹی لے کر گئے تھے... مجھے اس لئے اچھی طرح یاد ہے کہ بابا نے صبح ان سے جرح کی تھی۔''

'' اچھا ٹھیک ہے... ان کے صرف پتے معلوم کر کے فرزانہ کے سیل فون پر ٹیکسٹ میسج لکھ کر بھیج دیں۔''

'' جی انکل... ویسے اب بابا بھی اس معاملے میں بہت پریشان ہو چکے ہیں...''

'' جلد ہی ان کی پریشانی دور ہو جائے گی... فکر نہ کریں۔''

اور پھر جلد ہی انہیں تینوں کے نام اور پتے موصول گئے۔

اس وقت رات کے سوا دس ہو رہے تھے... لیکن پھر بھی وہ اپنے گھر جانے کے بجائے ان میں سے ایک گارڈ کے پتے پر پہنچے... اس کا نام شامل خان تھا۔ یہ صبح آٹھ بجے سے سہ پہر چار بجے تک والا گارڈ تھا... یعنی وہ دونوں جو ضروری کام کا کہہ کر صوفیہ کی والدہ سے



اجازت لے کر آئے تھے، یہ ان میں سے ایک تھا... دستک کے جواب میں پینتالیس سال کی عمر کے قریب شخص نے دروازہ کھولا:

''ہمیں شامل خان صاحب سے ملنا ہے۔''

'' ہاں جی! میں ہی شامل خان ہوں۔''

یہ سن کر انہیں حیرت ہوئی... کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ گھر پر نہیں ملے گا۔

'' ہمارا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے، مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔''

'' اوہ۔'' انہوں نے اس کا رنگ سفید پڑتے دیکھا۔

'' میں کمرے کا دروازہ کھولتا ہوں۔'' اس نے کہا اور مڑنے لگا... انسپکٹر جمشید نے فوراً اس کی کلائی پکڑ لی کہ کہیں فرار نہ ہو جائے۔

'' کمرے کا دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں... ہم جیپ میں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔''

'' جی، جی اچھا... جیسے آپ کی مرضی۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

'' آج چھٹی کس لیے لے آئے تھے۔'' انہوں نے اسے گاڑی میں بٹھانے کے بعد کہا۔

'' وہ... بس... طبیعت خراب تھی۔''

'' نعمانی صاحب نے تو بتایا تھا کہ تم دونوں کو اچانک ایک کام

آپڑا ہے ... اور اب کہہ رہے ہو کہ طبیعت خراب ہو گئی تھی۔''

'' بس طبیعت خراب ہو گئی تھی... اب ان سے کیا کہتے ... طبیعت کی خرابی کو بیگم صاحبہ نہیں مانتیں ...لہٰذا چھٹی بھی نہیں ملتی۔''

'' خیر مان لیا ... لیکن ہمیں تو تم بالکل ٹھیک نظر آرہے ہو۔''

'' سر میں شدید درد ہے ... اور سر کا درد نظر نہیں آتا صاحب۔'' اس نے مسکرا کر کہا... انہوں نے اس کے لہجے میں طنز کی کاٹ صاف محسوس کی۔

'' اوہ اچھا خیر... تمہارے ساتھ جو دوسرا گارڈ تھا... اس نے چھٹی کیوں کی تھی ... چلو کچھ دیر کیلئے مان لیتے ہیں کہ تمہاری طبیعت خراب تھی ... لیکن اس دوسرے کو کیا ہوا تھا... وہ کیوں نکل گیا تھا۔''

'' صاحب آخر معاملہ کیا ہے ... آپ اتنی پوچھ گچھ کیوں کر رہے ہیں...اگر ہم نے چھٹی کی بھی ہے تو یہ ہمارے محکمے کا معاملہ ہے ... ہمارا محکمہ اس کی انکوائری کرے گا ... آپ انٹیلیجنس والے کیوں ہمیں پریشان کر رہے ہیں۔''

'' ویسے تو تم جانتے ہی ہو کہ تم سے کیوں جرح کی جا رہی ہے ... پھر بھی اگر تم سننا ہی چاہتے ہو تو بتا دیتا ہوں کہ جس رات نعمانی صاحب کے گھر میں سیاہ پوش داخل ہوا ... اس رات تم دونوں ہی ڈیوٹی



پر تھے ... اس کے باوجود سیاہ پوش ان کی چار دیواری میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا ... اور یہ وہ معمہ ہے جس کی انکوائری تمہارا محکمہ نہیں بلکہ محکمہ سراغرسانی ہی کرے گا .... اگر تم تعاون کرو گے اور جیسا ہم کہیں ویسا کرو گے تو ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہ سکو گے ورنہ مزاحمت کی صورت میں علاج کی ذمہ داری تو ضرور تمہارے محکمے کو ہی اٹھانی پڑے گی...کیونکہ پھر ہم تمہیں ڈنڈا ڈولی کر کے یہاں سے لے جائیں گے ... اب اس عمر میں تم نہ تو ڈنڈے کھانا پسند کرو گے اور نہ ڈولی اٹھوانا ...اگر تم ڈولی اٹھوانا پسند بھی کرو گے تو تمہاری بیوی بچے ہرگز پسند نہیں کریں گے لہٰذا ڈولی اٹھنے کی صورت میں تم کو اپنی بیوی بچوں کے ڈنڈے کھانا پڑیں گے ... امید ہے اب تمہیں سمجھ میں آگیا ہوگا کہ محکمہ سراغرسانی والے کیوں تمہیں پریشان کر رہے ہیں۔'' فاروق ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔ اس کی طویل تقریر پر انسپکٹر جمشید بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے ...لیکن دوسری طرف شامل خان کو تو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا۔

'' اب بتاؤ کہ تمہارا ساتھی گارڈ کیوں چھٹی لے کر گیا تھا ...'' محمود نے شامل خان کو گھور کر دیکھا۔

'' صاحب ہم لوگوں کو پہلے ہی خوف تھا کہ ہم سے پوچھ گچھ کی جائے گی ... اس لئے جب میں نے چھٹی پر جانے کی بات کی تو وہ بولا

که اگر پولیس والے مجھے تھانے لے گئے تو میں اکیلا پھنسوں گا ... اس
لئے میں بھی ضروری کام کا بہانہ کر کے تمہارے ساتھ ہی چل نکلتا ہوں
... وہ ذرا کم عمر ہے صاحب ... ابھی ایک ماہ پہلے ہی نوکری لگی ہے اس
کی ... بہت گھبراتا ہے بیچارہ ...''

''گھر جانتے ہو اس کا ... کہاں ہوگا اس وقت ...''

''گھر پر ہی ہوگا جی اپنے ...''

''ہمیں وہاں لے کر چلو ... پھر تم دونوں کو ساتھ لے کر ہم اپنے
دفتر جائیں گے اور وہاں تم ہمیں سچ سچ بتاؤ گے کہ آج تم نے چھٹی
کیوں کی ہے۔''

''آ... آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔''

''یہ ہم تم دونوں کو ایک ہی بار بتائیں گے۔''

اب وہ شامل خان کو ساتھ لے کر دوسرے کے گھر روانہ ہوئے
البتہ انسپکٹر جمشید نے اسے یہ اجازت دے دی کہ وہ اپنے گھر والوں کو
بتا دے کہ وہ ایک انکوائری کے سلسلے میں محکمہ سراغرسانی کے دفتر جا رہا
ہے ... اب وہ شامل خان کو ساتھ لے کر دوسرے کے گھر کی جانب
روانہ ہوئے ... انسپکٹر جمشید تینوں کو اشارہ کر چکے تھے کہ ہوشیار رہیں
کیونکہ شامل خان فرار ہونے کی کوشش کر سکتا ہے ... نہ صرف یہ بلکہ کسی



اندھی گولی کا نشانہ بھی بن سکتا ہے ... کیونکہ اگر وہ منصوبہ سازوں کا
کارندہ ہے تو وہ راز کھلنے کے ڈر سے اسے ختم بھی کر سکتے ہیں۔ دوسرا
گارڈ خیبر کالونی میں رہتا تھا ... یہ ایک خود رو آبادی تھی جسے بعد میں
کچی آبادیاں پکی کروانے کے نام پر سرکاری دستاویزات میں باقاعدہ
کالونی کے طور پر رجسٹر کر لیا گیا تھا ... لیکن اس کے باوجود یہاں
نہایت گندگی تھی ... سڑکیں بھی ٹوٹی پھوٹی تھیں ... اور صاف پانی کا بھی
انتظام نہیں تھا۔ اونچے نیچے راستوں سے گزر کر ان کی جیپ ایک تنگ
گلی کے دہانے پر جا پہنچی ... گلی اتنی تنگ تھی کہ جیپ اندر داخل نہیں ہو
سکتی تھی ... گندے نالے کے ساتھ ایک پگڈنڈی تھی ... اس پر چلتے
ہوئے وہ ایک بغیر دروازے کے مکان کے سامنے جا رکے ... بدبو سے
ان کے دماغ پھٹے جا رہے تھے ... ساٹھ گز کے اس برائے نام مکان
کے داخلی دروازے پر صرف ایک پردہ لٹکا ہوا تھا ... شامل خان نے
دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی تو ایک دو ڈھائی برس کی سرخ و سفید
گول مٹول سی بچی دوڑ کر دروازے پر آئی اور اپنی نیلی نیلی آنکھوں سے
انہیں تکنے لگی۔ فرزانہ اسے دیکھ کر مسکرائی:

''کیا نام ہے تمہارا ...''

''زرینہ!'' اس کے منہ سے نکلا ... اسی وقت قدموں کی چاپ

سنائی دی اور ایک ساڑھے چھ فٹ کا نوجوان چادر لپیٹے باہر نکلا ... بچی اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی ... اس نے جھک کر بچی کو گود میں اٹھایا اور بولا:

" السلام علیکم شامل خان ... کہو کیا حال چال ہے ..." اسی کے ساتھ اس کی نظر ان چاروں پر پڑی ... وہ ٹھٹک گیا... بچی کو گود سے اتار دیا اور انسپکٹر جمشید کی طرف غور سے دیکھا اور پھر سوالیہ نظروں سے شامل خان کی جانب ...

شامل خان نے جلدی جلدی اسے صورتحال سے آگاہ کیا ... اس کی آنکھوں میں انہیں پریشانی کی جھلک صاف دکھائی دی ... لیکن ساتھ چلنے کے معاملے میں وہ بغیر چوں و چرا کے تیار ہوگیا۔ انہوں نے اسے بھی جیپ میں بٹھا لیا اور بیس منٹ کے بعد وہ اسے ایک عمارت میں لے آئے۔ سب انسپکٹر اکرام دروازے پر ان کی راہ دیکھ رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید انہیں نہ جانے کیوں انہیں اپنی کسی خفیہ عمارت میں نہیں لے کر آئے تھے۔ یہ پولیس کا ایک عام سا ریمانڈ روم تھا جسے عام زبان میں کمرۂ امتحان کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہاں کے عجیب و غریب آلات شامل خان اور اس کے دوسرے ساتھی نے کب دیکھے تھے... حیران ہوئے کہ یہ انہیں کہاں لایا گیا:



"یہ ... یہ کیسی جگہ ہے۔"

"یہ کمرہ لوگوں کی زبانیں کھلوانے کے کام آتا ہے۔"

"آپ ہم سے ایسے ہی پوچھ لیں ... ہم سچ بتادیں گے ... بلکہ بتا بھی چکے ہیں ... تو پھر اس طرح ہم پر ظلم کرنے کی کیا ضرورت۔"

"تو پھر بتا دو ... چھٹی کیوں کی تھی۔"

ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔

عین اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی ... اکرام نے ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، جیسے پوچھ رہا ہو... دروازہ کھولا جائے یا نہیں۔"

"کھول دو اکرام ... میں تیل دیکھنا چاہتا ہوں... تیل کی دھار دیکھنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے پر سکون آواز میں کہا۔

اکرام نے جونہی دروازہ کھولا ... ایک خوفناک دھماکا ہوا:

☆☆☆☆☆

# حیرت کے بادل

انہیں ہوش آیا تو ہسپتال میں تھے ... بیگم جمشید، خان رحمان ، پروفیسر داؤد ان کے آس پاس موجود تھے، بلکہ آج تو بیگم شیرازی بھی آئی ہوئی تھیں:

'' کیا وہ فرار ہو گئے۔''

''تم چاروں اور اکرام کے علاوہ پولیس کو اس کمرے سے کوئی اور بیہوش حالت میں تو نہیں ملا۔'' خان رحمان نے کہا۔

'' ہمارے علاوہ وہاں دو آدمی اور بھی تھے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

'' لیکن جمشید! معاملہ کیا ہے۔'' پروفیسر داؤد نے پوچھا۔

'' معاملے ہی کو تو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے ... انہوں نے ہمیں اور دور کر دیا ... یعنی معاملہ سمجھنے سے ہمیں اور دور کر دیا ... ہمارا خیال تھا، ان دو سے کچھ نہ کچھ تو معلوم ہو جائے گا... وہ ان دونوں کو ہی لے گئے ... خیر کوئی بات نہیں... ہم ان کا سراغ لگا لیں گے۔''



'' لیکن جمشید! یہ معاملہ ہے کیا۔'' پروفیسر بیتاب ہو کر بولے۔

'' اس کے سر پیر کا کوئی پتا نہیں ... ویسے کیا ڈاکٹر حضرات کی طرف سے ہمیں جانے کی اجازت مل سکتی ہے۔''

'' نہیں! ان کا کہنا ہے کہ ابھی تم لوگوں کو تین دن تک ہسپتال میں رہنا پڑے گا ... بم کے زہریلے دھوئیں کا تمہارے اعصابی نظام پر کافی برا اثر پڑا ہے۔''

'' ہرگز نہیں...'' انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

'' کیا ہوا ... خیر تو ہے۔''

'' تین دن میں تو مجرم کہیں کے کہیں پہنچ جائیں گے ... ہمیں کیس پر کام تو کرنا ہے نا ... آؤ بھئی چلیں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے لیکن لڑکھڑا کر رہ گئے۔

'' ارے ارے! یہ کیا ... آپ لوگ لیٹے رہیں... ابھی آپ کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔'' ایک نرس نے کہا جو اسی وقت بلڈ پریشر چیک کرنے کا سامان لے کر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

'' ہم اسے خطرے کی حالت کے اندر لے آئیں گے... لیکن اگر ہم باہر نہ گئے تو بہت کچھ خطرے کے اندر آجائے گا۔'' انسپکٹر جمشید نے سنجیدگی سے کہا۔

اس پر تو تینوں بچے بھی حیران تھے کہ انسپکٹر جمشید نے خطرے
میں آجانے کی بات کیوں کی تھی ... ڈاکٹر انہیں روکنے کی کوشش کرتے
رہے، لیکن وہ بھی ان کے کارناموں سے اچھی طرح واقف تھے اور
جانتے تھے کہ جب ملک کی سلامتی پر بن آئے تو وہ بھلا کہاں رکنے
والے تھے... آخر سب کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور وہ نکلتے چلے
آئے، عین اسی لمحے آئی جی صاحب کا فون آگیا ... وہ کہہ رہے تھے:

'' یہ کیا جمشید! تم لوگ ہسپتال سے چلے بھی آئے۔''

'' اور کیا کرتے سر ... ان کا پروگرام تو ہمیں تین دن روکنے کا
تھا... تین دن تک بھلا ہم اس کیس سے کیسے الگ رہ سکتے ہیں۔''

'' اوہو ... بات کیس کی نہیں... تم لوگوں کی حالت کی ہے اور
میڈیکل رپورٹ کے مطابق تمہیں ابھی تین دن مکمل آرام کرنا چاہیے ...
ورنہ چلنے پھرنے سے دوران خون بڑھنے کے سبب زہریلے دھوئیں کے
اثرات جسم میں پھیلنے اور اس سے تمہارے جگر ناکارہ ہونے کا اندیشہ
ہے۔''

'' وہ تو سر ہم کر ہی چکے۔''

'' کیا کر چکے۔'' شیخ صاحب کے منہ سے نکلا۔

'' جی ... چلت پھرت یعنی چلنا پھرنا۔''



'' اللہ تم سے سمجھے جمشید!'' انہوں نے جھلا کر کہا۔

'' سر! وہ تو ایک دن سب ہی سے سمجھے گا۔''

'' آخر اب تم کرو گے کیا ...''

'' اب میں مزید تفتیش اور سراغرسانی کے ذریعے ان بظاہر بے تکی
وارداتوں کے ذمے داروں تک پہنچوں گا ... جیسا کہ اب تک کرتا رہا
ہوں ... اگرچہ ابھی ہمیں اس کیس کے سرپیر کا کوئی پتا نہیں ہے ...''

'' اچھا خیر خود کو بچا کر رکھنا ... اس کیس سے مجھے بھی خطرے کی
بو آرہی ہے۔''

'' اللہ اپنا رحم فرمائے ... ہمیں واقعی بچ کر آگے بڑھنا ہوگا۔''

اور پھر دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر
انہوں نے بھی موبائل آف کر دیا.. پھر وہ گھر پہنچے اور سیدھے لائبریری
میں آئے... صبح کے ساڑھے چھ بجنے والے تھے ... وہ ساری رات
ہسپتال میں بے ہوش پڑے رہے تھے ... جلد ہی بیگم جمشید نے کھانے کی
مزے دار چیزوں کی ٹرے انہیں پکڑا دی:

'' حیرت ہے ... کمال ہے ... شکیلہ بھابی اس قدر جلد اتنی
چیزیں کس طرح تیار کر لیتی ہیں... ابھی ابھی تو سب ہسپتال سے آئے
ہیں۔'' خان رحمان حیران ہو کر بولے

"یہ اس کام کی ماہر ہیں ... " انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

" ان تمام حالات سے تم کس نتیجے پر پہنچے جمشید۔" پروفیسر داؤد نے سوال داغا۔

" اس نتیجے پر کہ کوئی ایک شخص نہیں بلکہ کوئی تیز طرار تنظیم ان معاملات کی پشت پر ہے ... بہت زبردست منصوبہ بندی سے قدم اٹھائے جا رہے ہیں ... رہا سوال یہ کہ ان وارداتوں کے پیچھے مقصد کیا ہے ... ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا ... بظاہر تو ان کا مقصد وزارتِ داخلہ سے وابستہ اہم افسران کے گھروں میں جاسوسی آلات نصب کرنا معلوم ہوتا ہے ... اور گھروں کے اندر داخل ہونے کی اس غرض کے لیے انہوں نے گارڈز کو اپنے ساتھ ملایا ... لل ... لیکن نہیں۔" اچانک ان کے منہ سے نکلا۔ ان کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی ... پھر وہ بولے:

" ساتھ ملایا نہیں ... بلکہ وہ پہلے ہی اس سے ملے ہوئے تھے، یعنی وہ اسی کے آدمی تھے۔"

" لل ... لیکن؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

" لیکن کیا؟"

" لیکن ... یہ بات کچھ جچتی نہیں کہ گارڈز پہلے سے اس کے ساتھ ملے ہوئے تھے یا اسی کے آدمی تھے ... کیونکہ جاسوسی آلات نصب



کرنے کی ضرورت تو شاید اچانک پیش آئی ... جبکہ گارڈز وہاں پہلے سے کام کر رہے ہیں ... لہٰذا یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی ... اور ویسے بھی گارڈز کوئی ان کے ذاتی ملازم تو ہیں نہیں ... سرکاری ملازم ہیں ... اور ایسے گارڈز کی تعیناتی آج یہاں تو کل وہاں۔"

" شاید تم ٹھیک کہتے ہو ... لیکن تم یہ بھی تو سوچو کہ پھر انہیں اس طرح ان دونوں گارڈز کو ہماری تحویل سے چھڑانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی ... اس کے جواب میں تم کیا کہتے ہو۔" انہوں نے محمود کے چہرے پر نظر جما دی۔

محمود گڑبڑا گیا ... آخر اس نے کہا:

" اس کا مطلب ہے ... دال میں کچھ کالا ہے۔"

" دھت تیرے کی ... جب کوئی جواب نہیں جڑا تو کہہ دیا، دال میں کچھ کالا ہے ... یہاں ہم میں سے کون کہہ رہا ہے کہ دال میں سفید ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"واقعی ... میرا بھی یہی خیال ہے کہ تمہیں کوئی جواب نہیں سوجھ رہا۔" فرزانہ مسکرائی۔

" لیکن میں اپنے جواب پر قائم ہوں۔" محمود نے پرسکون انداز میں کہا۔

"قائم ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" فاروق ہنسا۔

"ہے کوئی تک۔" فرزانہ جلا اٹھی۔

"میرا خیال ہے... پہلے محمود کو موقع دیا جائے... محمود اپنی بات کی وضاحت کر دو۔"

"جی ضرور کیوں نہیں... ان گارڈز کو چھڑا لے جانے کے انداز نے آپ کو چونکا دیا ہے... اس سے بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ وہ دونوں گارڈز سیاہ پوش اور اس کی پشت پر کارفرما کسی تنظیم کے آدمی ہیں اور اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ تنظیم کافی عرصے سے یہاں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے... اور گارڈز کی تعیناتی کے محکمے میں بھی اس تنظیم کے ایجنٹ موجود ہونگے جو تنظیم کی ہدایت پر اپنے مخصوص گارڈز کو مطلوبہ جگہوں پر تعینات کرتے رہتے ہوں گے۔"

"کیا!!!" مارے حیرت کے ان سب کے منہ سے نکلا۔

O

چند سیکنڈ سکتے کے عالم میں گزر گئے... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"بہت خوب محمود! جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں... تم بھی سو فیصد اسی نتیجے پر پہنچے ہو... اور اس کا مطلب ہے کہ اب ہمیں ابدالی صاحب



کے گارڈز کو بھی چیک کرنا ہوگا... اور میری پیش گوئی ہے کہ وہ بھی اپنی ڈیوٹیوں سے غائب ہو چکے ہونگے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اٹھے اور باہر کی طرف دوڑ پڑے۔ دوسرے ہی لمحے محمود، فاروق اور فرزانہ بھی پوری رفتار سے دوڑ کر گھر سے باہر آچکے تھے... خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو انہوں نے گھر پر ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

اب ان کی جیپ آندھی اور طوفان کی طرح اڑی جا رہی تھی:

"ہم بہت دیر کر چکے ہیں... یہ خیال ہمیں بہت پہلے آجانا چاہیے تھا۔"

"اللہ مالک ہے... ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

خطرناک حد تک تیز ڈرائیونگ کرتے ہوئے آخر وہ زاہد نسیم ابدالی کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچ گئے... وہاں پہنچ کر ہی انہوں نے بریک لگائے... دروازے پر گارڈز کو نہ دیکھ کر وہ ساکت رہ گئے:

"وہی ہوا... جس کا ڈر تھا۔"

"لیکن کیا خبر... وہ کسی ضرورت کے تحت اندر آگئے ہوں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"معلوم کر لیتے ہیں۔"

محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا... کچھ دیر بعد ملازم نے دروازہ کھولا اور انہیں دیکھتے ہی بولا:

"اوہ! یہ آپ ہیں... اتنے سویرے سویرے۔"

"ہیں تو یہ ہم ہی... پہلے آپ یہ بتائیں... گارڈز کہاں ہیں۔"

"وہ غائب ہیں... کچھ بتائے بغیر غائب ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا... اور اسی بات کا انہیں خطرہ تھا... نجم الدین نعمانی کے گارڈز کی گرفتاری کے فوراً بعد مجرموں نے اس کوٹھی کے گارڈز کو یہاں سے فوراً غائب ہونے کی ہدایت کی ہو گی:

"دھت تیرے کی..."

"اور اس کا مطلب ہے... ان لوگوں نے اپنا نیٹ ورک کہاں تک مکمل کر رکھا ہے... یعنی ہمارے اہم ترین سرکاری افسروں کے دروازوں پر جو گارڈز موجود ہیں... وہ دراصل ان کے آدمی ہیں... میرا مطلب ہے... ہر آفیسر کی کوٹھی پر تو ایسا نہیں ہوسکتا... البتہ جس جس آفیسر کی نگرانی کے احکامات انہیں ملے ہوئے ہیں... وہاں وہاں ایسا ضرور ہے۔"

"افسوس!... ہم مجرم سے یہاں بھی پیچھے رہ گئے۔" فرزانہ کے



منہ سے نکلا۔

"اور یہ ایک خوفناک صورتحال سامنے آئی ہے، ہمیں نہیں معلوم کتنے ایسے لوگ ہیں، جن کے دروازوں پر... ایسے گارڈز موجود ہیں"

"اور ہم اسی رخ سے اپنا کام کر سکتے ہیں۔" محمود پرخیال انداز میں بولا۔

"اوہ ہاں؟" انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔ پھر وہ اس ملازم کی طرف متوجہ ہوئے۔

"آپ ابدالی صاحب کو ہمارے بارے میں بتائیں..."

"جی اچھا... میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوں، آپ تشریف رکھیں۔"

وہ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا۔ جلد ہی ابدالی صاحب کافی کا کپ ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوئے... وہ صبح کے سات بجے تک نائٹ گاؤن میں ہی تھے... انہوں نے ان سے مصافحہ کیا... پھر بیٹھتے ہوئے بولے:

"لگتا ہے کہ آپ بہت زیادہ تیزی سے کام کرنے کے عادی ہیں۔"

"جی بس... ایسی ہی عادت ہے... ہم آپ سے آپ کے گارڈز

کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''ان کے غائب ہونے پر میں خود حیران ہوں ... ویسے میں نے رات کو گیارہ بجے ان کے اچانک غائب ہوتے ہی ہی متعلقہ سیکشن انچارج کو ان کے غائب ہونے اور متبادل گارڈز کی تعیناتی کیلئے مطلع کر دیا ہے۔''

''یہ کب سے آپ کے پاس تعینات تھے۔''

''جب سے یہ عہدہ ملا ہے اور میں اس کوٹھی میں آیا ہوں، یہ گارڈز بھی یہاں تعینات ہیں... یہ کوٹھی سرکاری ہے ... اور وہ گارڈز بھی سرکاری تھے۔''

''انہیں یہاں کون مقرر کرتا ہے۔''

''محکمہ ... اور کون بھیجے گا۔''

''اور آپ کا تعلق محکمہ داخلہ سے ہے ...''

''جی ہاں!'' اس نے کہا۔

''آپ نے ان کے غائب ہونے کی اطلاع کس کو دی تھی۔''

''ملازمین کے معاملات زہیر اختر رانا کے ذمے ہیں... ان کو اطلاع دی تھی ... محکمہ داخلہ کے مرکزی دفتر میں ان کا دفتر ہے۔''

''پلیز! ان کا فون نمبر ہمیں دے دیں۔''



زاہد نسیم ابدالی نے نمبر بتایا، انہوں نے اسی وقت اسے فون کیا ... جلد ہی جواب ملا:

''زہیر اختر رانا بات کر رہا ہوں۔''

''اور میں انسپکٹر جمشید ہوں... آپ سے ملنا چاہتا ہوں... آپ اس وقت کہاں ہیں۔''

''میں اس وقت اپنے گھر میں ہوں، کیونکہ ابھی دفتر کا وقت شروع نہیں ہوا ہے۔'' اس کے انداز طنزیہ سا محسوس ہوا تھا۔

''آپ گھر میں ٹھہریں... میں آرہا ہوں... اپنا پتا بتائیں۔''

''113 رضی ٹاؤن۔''

''شکریہ!'' انہوں نے فون بند کر دیا اور اٹھتے ہوئے بولے:

''ہم چلتے ہیں۔''

''میری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔''

''ہم سب کا یہی حال ہے ... جب تک کہیں کوئی سرا ہاتھ نہیں آجاتا ...''

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ... اسی وقت ڈرائنگ روم کے اندرونی دروازے سے تین چار سال کا ایک بچہ اندر داخل ہوا ... اس کے کپڑے میلے سے تھے ... تھا بھی ننگے پاؤں... کھیلنے کی کوئی

گیند نما چیز اس کے ہاتھ میں تھی... جونہی اس کی نظر ان سب پر پڑی ...بوکھلاہٹ میں وہ کھیلنے کی چیز اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ بے چینی کے عالم میں اسے تلاش کرنے لگا:

''یہ ہمارے گھر کے پرانے وفادار اور با اعتبار ملازم یعقوب علی کا بیٹا ہے...'' یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائے۔

''وہی جس نے ابھی دروازہ کھولا تھا۔'' انہوں نے پوچھا۔

''ہاں ... اصل میں مجھے اور میری بیگم کو بچے بہت اچھے لگتے ہیں... اور یہ ہے بھی بہت پیارا ... ہمیں اس بچے سے بہت انس ہو گیا ہے ... لہٰذا یہ بلا روک ٹوک گھر میں گھوم پھر لیتا ہے اور ہمارے بچے سے کھیلتا رہتا ہے... ویسے ان کا کوارٹر کوٹھی کے پچھلے حصے میں ہے۔''

''اوہ اچھا۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھے ... بچے کی گری ہوئی چیز انہیں گری ہوئی نظر آ گئی تھی ...وہ انہوں نے اسے اٹھا کر دی اور اس کے گال پر تھپکی دیتے ہوئے ابدالی صاحب سے ہاتھ ملا کر باہر نکل آئے ... اچانک ان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے ، ساتھ ہی فرزانہ کے چہرے پر بھی حیرت نظر آ ئی تھی:

☆☆☆☆☆



# نون ایریا

''عجیب بات ہے۔'' فرزانہ بڑبڑائی۔

''ہاں! عجیب بات تو ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے بھی اسی کے انداز میں بڑبڑا کر کہا۔

''جی... کیا عجیب بات ہے... ہمیں تو یہاں دور دور تک کوئی عجیب بات نظر نہیں آئی۔'' محمود کے منہ سے نکلا۔

''اور مجھے بھی ...'' فاروق نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

''تم دونوں کے کان بہت کمزور ہیں۔'' فرزانہ نے چڑانے والے انداز میں کہا۔

''کیا مطلب ؟'' وہ چونکے۔

''ہاں! جب ہم وہاں سے نکل رہے تھے ، اس وقت ہم نے بہت ہی زیادہ عجیب اور بہت ہی ہلکی سی آواز سنی تھی ... وہ آواز اتنی آہستہ تھی کہ فرزانہ سن سکی یا میں ... شاید فرزانہ نے مجھ سے بہتر سنی

ہوگی ... لیکن آواز بہرحال سنائی دی تھی ... وہ آواز ابدالی صاحب کی نہیں تھی... نہ اس بچے کی تھی ... پھر سوال یہ ہے کہ اس کمرے میں وہ آواز کیسی تھی ۔'' انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''یہ تو پھر سسپنس پیدا ہوگیا۔'' محمود پرجوش انداز میں بولا ۔

''ہاں! ہمیں اس کمرے کو چیک کرنا ہوگا بلکہ پروفیسر صاحب سے چیک کرانا ہوگا ...اور وہ بھی ابھی اور اسی وقت ۔''

یہ کہہ کر وہ واپس مڑے اور ڈرائنگ روم کے دروازے پر دستک دی ... لیکن شاید زاہد نسیم ابدالی ڈرائنگ روم سے نکل چکے تھے ، اس لیے جواب میں دروازہ نہ کھلا... اب انہوں نے باہر نکل کر صدر دروازے کی گھنٹی بجائی.. جلد ہی ملازم نے دروازہ کھولا :

''معاف کیجیے گا بھائی یعقوب علی ... ایک کام باقی رہ گیا ... ہم نے سوچا ، وہ بھی کرتے چلیں... ہم ذرا ڈرائنگ روم کا ایک دفعہ اور جائزہ لینا چاہتے ہیں... آپ ابدالی صاحب کو بتا دیں... ویسے انہیں زحمت دینے کی ضرورت نہیں ... وہ نہ آئیں... ہم اپنا کام خود ہی کر لیں گے ۔''

''اچھی بات ہے۔''

وہ اندر چلا گیا ، واپس آنے پر اس نے کہا:



'' آپ اپنا کام کریں ... میں دروازہ کھول دیتا ہوں ... انہوں نے کہا ہے کہ ضرورت پڑے تو انہیں بھی بلا لیں۔''

'' فی الحال ضرورت نہیں ۔''

یعقوب علی دروازہ کھول کر چلا گیا ... انہوں نے اسے جانے کا اشارہ کر دیا تھا... انہوں نے کمرے میں ہر چیز کے ساتھ کان لگائے ... لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی... آخر انہیں پروفیسر داؤد کو فون کرنا پڑا ... ایک بار پھر ان کی تجربہ گاہ کے ماہرین اپنے آلات کے ساتھ پہنچ گئے ۔ آوازوں کو کئی گنا بڑا کرنے کے آلات کے ذریعے بھی انہوں نے سننے کی کوشش کی ، لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی... مایوس ہو کر وہ بولے :

'' نہیں سر ... یہاں کچھ نہیں ہے ۔''

'' لیکن میں نے اور فرزانہ نے آواز سنی ہے ... اور آپ کو شاید علم نہ ہو کہ ... میرے کان دھوکا کھا سکتے ہیں ، فرزانہ کے نہیں ۔''

'' فرزانہ صاحبہ کے سننے کی صلاحیت سے ہم واقف ہیں۔'' اس نے فوراً کہا ۔

'' تو آپ آواز کو اور بڑا کر کے سننے کی کوشش کریں ۔''

انہوں نے اپنے آلات کے چند بٹن دبائے اور سننے کی کوشش کی ... لیکن مایوسانہ انداز میں سر ہلایا :

"نہیں سر! یہاں کچھ نہیں ہے ... میں سوفیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں ... اور نہ ہی کسی ٹرانسیور کی موجودگی کا امکان ہے۔"

"تب پھر ہم یہی کہیں گے ... آج میرے ساتھ فرزانہ کو بھی دھوکا ہو گیا ہے ... خیر کوئی بات نہیں ... آیئے چلیں۔"

اسی وقت انسپکٹر جمشید کے فون کی گھنٹی بجی... انہوں نے دیکھا، فون آئی جی صاحب کا تھا ... وہ کہہ رہے تھے:

"اُف جمشید اُف۔"

"جی سر؟... یہ آپ نے کیا فرمایا۔"

"میں نے کہا ... اُف جمشید اُف۔"

"چلیے پھر اس کی وضاحت کر دیں۔"

"ہاں! کیوں نہیں ... چوتھا نام سنو ... رات خان طورانی خان کے گھر میں بالکل ویسی ہی واردات ہو گئی ہے۔"

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ہاں جمشید... میں بھی پہنچ رہا ہوں... ان کی رہائش نون ایریا میں ہے، نون ایریا۔"

"ہم بھی پہنچ رہے ہیں سر۔"

وہ اسی وقت روانہ ہو گئے اور نون ایریا پہنچ گئے ... ساتھ ہی



انہوں نے پروفیسر داؤد کو فون پر مطلع کر دیا کہ ان کے ماہرین کو وہ اپنے ساتھ خان طورانی خان کی طرف لے جا رہے ہیں۔ انہوں نے دیکھا، یہاں بھی دروازے پر گارڈ نہیں تھے:

"اللہ اپنا رحم فرمائے ... گارڈ غائب ہیں۔"

"ظاہر ہے ... اب وہ جہاں بھی واردات کریں گے ... وہاں سے اپنے آدمی پہلے ہی ہٹا لیں گے۔"

"آؤ جمشید ... میں تمہیں خان طورانی خان سے ملواتا ہوں۔" آئی جی انہیں دیکھ کر بولے۔

کوٹھی کا صدر دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئے۔ اسی وقت انہوں نے ایک گیند نما شخص کو دالان کی سیڑھیاں اتر کر آتے دیکھا ... آنے والے نے دور ہی سے آئی جی صاحب کو مخاطب کر کے کہا: "آیئے شیخ صاحب... شکریہ۔"

"السلام علیکم خان صاحب۔" وہ بولے۔

"وعلیکم ... اور یہ کون لوگ ہیں۔"

"یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہیں۔"

"اوہو اچھا... ان کی تو بہت شہرت ہے بھئی۔"

"اسی لیے انہیں ساتھ لایا ہوں ... یہ ایسے کاموں کا بہت تجربہ

رکھتے ہیں... اب یہ بتائیں ... گھر کی کوئی چیز گئی یا نہیں۔''

''کوئی نہیں گئی ...'' انہوں نے فوراً کہا۔

''ٹھیک ہے ... یعنی یہاں بھی وہی معاملہ نکلے گا۔'' انہوں نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر انہوں نے گھر میں چھپائے گئے آلات بر آمد کر لیے۔ آلات کو دیکھ کر خان طورانی خان کی آنکھیں مارے حیرت اور خوف کے پھیل گئیں اور انسپکٹر جمشید کے چہرے پر بے چینی کے آثار ظاہر ہوئے... انہوں نے کہا:

''ہمیں تو سر اجازت دیجیے ... کیونکہ یہاں ہمارا کام مکمل ہو چکا ہے ... اور ہمیں ایک اور طرف توجہ دینی ہے۔''

''ٹھیک ہے جمشید۔'' آئی جی بولے۔

انہوں نے ہاتھ ملائے اور باہر آگئے... دوسرے ہی منٹ وہ جیپ میں بیٹھے رضی ٹاؤن کی طرف اڑے جا رہے تھے:

O

''آپ کس لیے بے چین ہیں۔'' محمود نے انسپکٹر جمشید کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔



''میں نے زبیر اختر سے کہا تھا کہ ہم آ رہے ہیں ... لیکن ہمیں آنا پڑ گیا خان طورانی خان کے ہاں... اور مصروفیت کی وجہ سے ہم انہیں فون بھی نہ کر سکے... اب وہ ہمیں آڑے ہاتھوں لیں گے۔''

''مجبوری ہے... کیا کیا جا سکتا ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''بہر حال ... یہ پھر بھی ہمارا فرض تھا کہ ان کو آگاہ کر دیتے کہ ہم کچھ دیر سے پہنچ پائیں گے۔'' فرزانہ سنجیدگی سے بولی۔

113 رضی ٹاؤن پر پہنچ کر وہ جیپ سے اترے ... یہ ایک شاندار کوٹھی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی ... جلد ہی ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر آیا:

''زبیر اختر رانا صاحب؟'' انہوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''اور آپ انسپکٹر جمشید۔'' اس کا لہجہ خوشگوار تھا۔

''جی ہاں۔''

''خوب فرمائیے... کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''دروازے پر کھڑے رہ کر تو کوئی خدمت نہیں کر سکیں گے۔'' فاروق نے مسکرا کر کہا۔

''آپ اندر تشریف لائیے ...میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوں۔'' زبیر اختر رانا نے خوش اخلاقی سے مسکرا کر کہا اور اندر چلا گیا۔

"زبیر اختر صاحب نے دیر سے آنے کی شکایت نہیں کی ... اس کا مطلب ہے آدمی سمجھدار ہے ... معمولی باتوں کی پروا نہیں کرتا ... دوسروں کی مجبوریوں کو سمجھنا جانتا ہے ... کوئی بد مزاج آدمی ہوتا تو پہلے چار باتیں سناتا پھر اندر آنے کی دعوت دیتا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن ٹیلیفون پر تو کافی روکھے پھیکے انداز سے بات کر رہے تھے۔"

"ہاں ہوتا ہے کچھ لوگوں کے ساتھ اس قسم کا مسئلہ ... کچھ لوگوں کو فون پر گفتگو کرتے سنو تو نہایت باغ و بہار طبیعت کے معلوم ہوں گے اور جب ملاقات کرو تو انتہائی بیزاری کا رویہ دکھاتے ہیں اور کچھ اس کے الٹ کہ فون پر بیزار اور بالمشافہ ملاقات میں نہایت ہنس مکھ نکلتے ہیں۔"

اسی وقت ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی ... اور ساتھ ہی زبیر اختر کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"آیئے ...تشریف لایئے!"

وہ اندر داخل ہوئے۔ ڈرائنگ روم عالیشان تھا ... اس میں سجاوٹ کی چیزوں کی بھرمار تھی ... پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا لیکن سجاوٹ کے معیار سے گھر والوں کے اعلیٰ ذوق کا اظہار ہو رہا تھا:

"زبیر صاحب! آپ کا کام سرکاری افسران، اور وزیروں اور مشیروں کے گھروں کے لیے سرکار کی طرف سے سیکورٹی گارڈز مقرر



کرنا ہے ... ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں! ٹھیک ہے ... کیا آپ مجھ سے میرا یہ اختیار واپس لینا چاہتے ہیں۔" وہ عجیب سے انداز میں بولا ...جس میں مسکراہٹ بھی تھی اور ہلکا سا مذاق کا عنصر بھی۔

"نہیں ...ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے ... بس آپ ہمیں یہ بتا دیں کہ ان سیکورٹی گارڈز کو نوکری پر رکھنے اور ان کی سرکاری عہدیداروں کی رہائش گاہوں پر تعیناتی کا طریقہ کار کیا ہے۔"

"پوچھ سکتا ہوں کہ ایسی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"دراصل کچھ گارڈز کی کارکردگی سوالیہ نشان بن گئی ہے ... کچھ گھروں میں گارڈز کی موجودگی میں اندر گھسنے میں کامیاب ہوگئے ...اور جب ان میں سے کچھ گارڈز سے تفتیش کی گئی تو ان کو بھی غائب کر دیا گیا۔" انسپکٹر جمشید نے گول مول بات کی۔

"اوہ..." زبیر اختر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا

"اور اسی لئے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان گارڈز کی تعیناتی کس طریقہ کار کے تحت ہوتی ہے ...اور آیا کہ اس طریقہ کار کی پابندی کی جاتی ہے یا پھر اس میں آپ کے اسٹاف یا آپ کی صوابدید بھی شامل ہو جاتی ہے۔"

رکھتے ہیں... اب یہ بتائیں ... گھر کی کوئی چیز گئی یا نہیں۔"

"کوئی نہیں گئی ... " انہوں نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے ... یعنی یہاں بھی وہی معاملہ نکلے گا۔" انہوں نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر انہوں نے گھر میں چھپائے گئے آلات برآمد کر لیے۔ آلات کو دیکھ کر خان طورانی خان کی آنکھیں مارے حیرت اور خوف کے پھیل گئیں اور انسپکٹر جمشید کے چہرے پر بے چینی کے آثار ظاہر ہوئے... انہوں نے کہا:

"ہمیں تو سر اجازت دیجیے ... کیونکہ یہاں ہمارا کام مکمل ہو چکا ہے ... اور ہمیں ایک اور طرف توجہ دینی ہے۔"

"ٹھیک ہے جمشید۔" آئی جی بولے۔

انہوں نے ہاتھ ملائے اور باہر آ گئے... دوسرے ہی منٹ وہ جیپ میں بیٹھے رضی ٹاؤن کی طرف اڑے جا رہے تھے:

O

"آپ کس لیے بے چین ہیں۔" محمود نے انسپکٹر جمشید کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔



"میں نے زبیر اختر سے کہا تھا کہ ہم آ رہے ہیں ... لیکن ہمیں آنا پڑ گیا خان طورانی خان کے ہاں... اور مصروفیت کی وجہ سے ہم انہیں فون بھی نہ کر سکے... اب وہ ہمیں آڑے ہاتھوں لیں گے۔"

"مجبوری ہے... کیا کیا جا سکتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بہرحال ... یہ پھر بھی ہمارا فرض تھا کہ ان کو آگاہ کر دیتے کہ ہم کچھ دیر سے پہنچ پائیں گے۔" فرزانہ سنجیدگی سے بولی۔

113 رضی ٹاؤن پر پہنچ کر وہ جیپ سے اترے ... یہ ایک شاندار کوٹھی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی ... جلد ہی ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر آیا:

"زبیر اختر رانا صاحب؟" انہوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"اور آپ انسپکٹر جمشید۔" اس کا لہجہ خوشگوار تھا۔

"جی ہاں۔"

"خوب فرمائیے... کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"دروازے پر کھڑے رہ کر تو کوئی خدمت نہیں کر سکیں گے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"آپ اندر تشریف لائیے ...میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوں۔" زبیر اختر رانا نے خوش اخلاقی سے مسکرا کر کہا اور اندر چلا گیا۔

"زبیر اختر صاحب نے دیر سے آنے کی شکایت نہیں کی ... اس کا مطلب ہے آدمی سمجھدار ہے ... معمولی باتوں کی پروا نہیں کرتا ... دوسروں کی مجبوریوں کو سمجھنا جانتا ہے ... کوئی بد مزاج آدمی ہوتا تو پہلے چار باتیں سناتا پھر اندر آنے کی دعوت دیتا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن ٹیلیفون پر تو کافی روکھے پھیکے انداز سے بات کر رہے تھے۔"

"ہاں ہوتا ہے کچھ لوگوں کے ساتھ اس قسم کا مسئلہ ... کچھ لوگوں کو فون پر گفتگو کرتے سنو تو نہایت باغ وبہار طبیعت کے معلوم ہوں گے اور جب ملاقات کرو تو انتہائی بیزاری کا رویہ دکھاتے ہیں اور کچھ اس کے الٹ کہ فون پر بیزار اور بالمشافہ ملاقات میں نہایت ہنس مکھ نکلتے ہیں۔"

اسی وقت ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی ... اور ساتھ ہی زبیر اختر کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"آیئے ... تشریف لایئے!"

وہ اندر داخل ہوئے۔ ڈرائنگ روم عالیشان تھا ... اس میں سجاوٹ کی چیزوں کی بھرمار تھی ... پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا لیکن سجاوٹ کے معیار سے گھر والوں کے اعلیٰ ذوق کا اظہار ہو رہا تھا:

"زبیر صاحب! آپ کا کام سرکاری افسران، اور وزیروں اور مشیروں کے گھروں کے لیے سرکار کی طرف سے سیکورٹی گارڈز مقرر



کرنا ہے ... ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں! ٹھیک ہے ... کیا آپ مجھ سے میرا یہ اختیار واپس لینا چاہتے ہیں۔" وہ عجیب سے انداز میں بولا ... جس میں مسکراہٹ بھی تھی اور ہلکا سا مذاق کا عنصر بھی۔

"نہیں ... ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے ... بس آپ ہمیں یہ بتا دیں کہ ان سیکورٹی گارڈز کو نوکری پر رکھنے اور ان کی سرکاری عہدیداروں کی رہائش گاہوں پر تعیناتی کا طریقہ کار کیا ہے۔"

"پوچھ سکتا ہوں کہ ایسی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"دراصل کچھ گارڈز کی کارکردگی سوالیہ نشان بن گئی ہے ... کچھ گھروں میں گارڈز کی موجودگی میں اندر گھسنے میں کامیاب ہوگئے ... اور جب ان میں سے کچھ گارڈز سے تفتیش کی گئی تو ان کو بھی غائب کر دیا گیا۔" انسپکٹر جمشید نے گول مول بات کی۔

"اوہ..." زبیر اختر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا

"اور اسی لئے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان گارڈز کی تعیناتی کس طریقہ کار کے تحت ہوتی ہے ... اور آیا کہ اس طریقہ کار کی پابندی کی جاتی ہے یا پھر اس میں آپ کے اسٹاف یا آپ کی صوابدید بھی شامل ہو جاتی ہے۔"

اس نے ان کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے یہ سوال ہی
غیر ضروری ہو ... پھر بولا:

'' اخبارات میں اشتہارات دے کر ... لیکن انسپکٹر صاحب ... آپ
بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں ... اور آپ بخوبی واقف ہوں گے کہ
ہمارے ہاں ملازمتیں صرف اور صرف سیاسی دباؤ اور سفارشوں پر دی
جاتی ہیں ... میرٹ اور طریقہ کار اور ملازمتوں کے اشتہارات تو صرف
سجاوٹ کا ساز و سامان ہے۔''

'' تو گویا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ سیکورٹی گارڈز کی تقرری کا کوئی
پیمانہ ہے ہی نہیں۔''

'' کون کہتا ہے کہ نہیں ہے ... بس اس پر عمل نہیں ہو پاتا۔'' وہ تلخی
سے ہنسا۔

'' لیکن ہائی پروفائل سرکاری عہدوں پر فائز افسران اور وزیروں
مشیروں کی سیکورٹی کیلئے یہ چیز کیا خطرناک نہیں ہے۔''

'' بالکل ہے ... لیکن یہی وزیر مشیر تو اسی کے ذمے دار ہیں۔''

'' تو آپ اور آپ کا محکمہ کس مرض کی دوا ہے۔''

'' دستخط کرنے اور مہریں ثبت کرنے کے مرض کی دوا۔''

'' وہ حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے ... یہ شخص تو شاید ضرورت



سے کچھ زیادہ ہی سچ بولنے کا عادی تھا ... اور اس کے لہجے کی کاٹ بتا
رہی تھی کہ خود بھی اس بے ایمانی کے نظام نے اکتایا ہوا ہے۔

'' اس کے علاوہ ہمارا ایک کام اور بھی ہے ... جب ان نااہل
سیکورٹی گارڈوں کی لاپروائی یا مجرمانہ حرکت کی وجہ سے کسی بڑے ادا
کوئی نقصان پہنچ جائے تو آپ جیسے انٹیلجنس افسران کی جانب سے پوچھ
گچھ کا سامنا کرنا ... جبکہ عملی طور پر ہم جیسے افسران کے پاس کوئی اختیار
ہی نہیں۔''

انسپکٹر جمشید کچھ دیر وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے
گھورتے رہے ... پھر مسکرائے: '' لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ ملاحظہ
ضرور کریں گے۔''

'' ہاں ضرور ... لیکن آپ کی ... اس لئے کہ آپ آپ
ایک سو فیصد ایماندار، فرض شناس اور سچے انسان ... اس شہر میں آپ
کے علاوہ میں کسی دوسرے پر اعتماد نہیں کر سکتا۔''

'' بہت بہت شکریہ ... تو اگر ہم آپ کو چند نام دیں تو آپ
ہمیں بتا دیں گے کہ ان گارڈز کی تقرری کے پیچھے کس کا سیاسی
سفارش تھی۔''

'' میں سب جانتا ہوں ... اور میں نے اس کی فائل بھی بنا رکھی

رکھی ہے ...اس امید پر کہ کبھی تو ایسا وقت آئے گا کہ میں ان تمام
کرپٹ لوگوں کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دوں گا اور ان تمام سفارشیوں کو
نوکریوں سے نکلواؤں گا۔

'' ہم آپ کی وہ فائل دیکھنا چاہتے ہیں...''

'' وہ دفتر میں ہے ... یہاں نہیں ۔''

''ٹھیک ہے ... اگر آپ ہمیں کل وہ فائل دے سکیں تو ۔''

'' ٹھیک ہے ... لیکن کل نہیں پرسوں ... کل تو اتوار ہے۔'' وہ
پر جوش لہجے میں بولا۔

وہ اس سے رخصت ہو کر باہر نکل آئے ... ایسے میں انسپکٹر جمشید
کے جسم کو ایک زبردست جھٹکا لگا ۔ ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا:

'' حیرت ہے ... کمال ہے ۔''

O

جیپ میں بیٹھنے کے بعد فرزانہ نے پوچھا:

'' جی ... کیا مطلب ... آپ کو کس بات پر حیرت ہے اور کس
بات میں کمال نظر آیا ہے ۔'' فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا ۔

'' کمال کی بھی ایک ہی کہی ... وہ تو کسی چیز میں بھی نظر آسکتا



ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا ۔

'' خیر یہ تو نہیں کہا جاسکتا ۔'' فرزانہ نے فوراً کہا ۔

'' حد ہوگئی ... پہلے ابا جان سے یہ تو پوچھ لو ... انہیں کس بات
میں حیرت نظر آئی ہے ۔''

'' ہاں ابا جان ... بتائیں پھر ۔''

'' دیکھو بھئی ... مجرموں کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے ... کہ ہم
نے سراغ لگا لیا ہے کہ مجرم یہ کام گارڈز کی مدد سے لے رہے
ہیں...انہیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہم نے پروفیسر صاحب کے
ذریعے آلات تلاش کرنے کا کامیاب تجربہ بھی کر لیا ہے ...لہٰذا وہ لوگ
جو بھی کسی کوٹھی میں یہ کام کریں گے ... ہم ان کی کوشش ناکام بنا دیں
گے ... تو پھر... اب وہ یہ وارداتیں ...بالکل اسی انداز میں کیوں کر
رہے ہیں ۔''

ان تینوں کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا :

'' اوہ ! اوہ ۔''

☆☆☆☆☆

# خاص دھمکی

حیرت نے انہیں پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا... اب تک کی وارداتوں میں ایک تو یہ بات مشترک تھی کہ ڈرائنگ روم اور ذاتی کمرے کی تلاشی لی گئی تھی... یعنی چاروں گھروں کی... ایک بات یہ مشترک تھی کہ ان سب کے گھروں میں گارڈز کے ذریعے اندر داخل ہونے کا کام لیا گیا تھا...

انسپکٹر جمشید کے گھر کے دروازے پر چونکہ گارڈ نہیں تھے ... وہاں ضرور مختلف طریقہ اختیار کیا گیا ... وہاں انہیں ہپناٹائز کر کے کام نکالا گیا۔ تلاشی ان کے ہاں بھی انہی دو کمروں میں لی گئی ... آلات چاروں گھروں میں نصب کیے گئے تھے...

اب اگر یہ مسئلہ آلات نصب کرنے کا تھا... تب تو یہ سلسلہ بند ہو جانا چاہیے تھا... کیونکہ یہ لوگ اس بات سے واقف ہو چکے تھے... لیکن ایسا نہیں ہوا تھا... ایک واردات اور ہو گئی تھی اور اس جگہ گارڈز



کے پہلے سے ہی غائب ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ مجرم کوئی رسک نہیں لینا چاہتے تھے۔ ... اب سوال یہ تھا کہ اب یہ وارداتیں کس لیے کی جا رہی تھیں... ان کا تو کوئی فائدہ نہیں رہ گیا تھا۔ وہ نہ جانے کتنی دیر گہری سوچ میں گم رہے، آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''ہاں تو کیا بات سمجھ میں آئی۔''

''کوئی بات ہی تو سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''یہی حالت میری ہے ... میرے خیال میں تو ہمیں نئے سرے سے ان وارداتوں کا جائزہ لینا چاہیے۔''

''میں تو کہتی ہوں... آپ بس زبیر اختر رانا کو پکڑ لیں... اس سے اگلوا لیں کہ یہ سب کیا ہے ... بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

''ہم یہ کام کریں گے لیکن پہلے اس کی وہ خفیہ فائل دیکھ لیں۔''

''تب پھر میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو کہہ دیتی ہوں۔'' فرزانہ نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

''ضرور کہو... ہم تو اسی انتظار میں ہیں۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

فرزانہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی، پھر بولی:

''جن چار گھروں میں وارداتیں ہوئی ہیں... ان چاروں کا کہنا ہے کہ ان کی کوئی چیز نہیں گئی ... ہم لوگ بھی اس میں شامل ہیں...

لیکن اگر کوئی ایسی چیز گئی ہو جو ہماری ہو ہی نہ... تو اس کا ہمیں کیسے پتا چلے گا۔''

''کیا مطلب ؟'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''مطلب یہ کہ ہمیں اپنی چیزوں کا پتا ہوتا ہے ...اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے گھر کی کوئی چیز نہیں گئی... لیکن اگر کوئی ایسی چیز گھر میں موجود ہو ... جو کہ ہماری ہو ہی نہ ... اور آنے والا اس کی تلاش میں آیا ہو تو پھر بات دوسری ہو جاتی ہے ، ہم تو یہی محسوس کریں گے کہ وہ کچھ نہیں لے گیا ... لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی چیز لے گیا ہو جو ہماری نہ ہو۔'' یہاں تک کہہ کر فرزانہ خاموش ہو گی۔

''تم نے ایک نئی بات کہی فرزانہ ... ذرا اور کھل کر کہو ۔'' انسپکٹر جمشید نے پر خیال انداز میں کہا... ان کے چہرے پر ہلکا سا جوش نظر آرہا تھا۔

''میں کہنا یہ چاہتی ہوں... کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی گھر میں گرا گیا، لیکن وہ چیز ایسی ہے کہ اب وہ سب کے سامنے اس چیز کے بارے میں نہیں کہہ سکتا... یعنی وہ یہ نہیں پوچھ سکتا کہ اس کی فلاں چیز یہاں تو نہیں گر گئی۔ اس صورت میں وہ یہی طریقہ اختیار کرے گا ... اور ظاہر ہے ، وہ چیز کوئی معمولی چیز نہیں ہو سکتی... کوئی بہت ہی خاص



چیز ہے ، بہت زیادہ قیمتی چیز ہی ہو سکتی ہے ، جس کی خاطر اس قدر کوشش کی جا رہی ہے ۔''

''تمہاری بات میں کافی وزن ہے۔'' انسپکٹر جمشید فکرمندانہ لہجے میں بولے۔

'' اب غور کریں ... اس صورت میں وہ کیوں ان وارداتوں کا سلسلہ بند کرنے لگا، تلاش کا یہ سلسلہ تو اس وقت روکا جائے گا، جب مطلوبہ چیز اسے مل جائے۔''

'' تب پھر ان گھروں میں جاسوسی آلات کیوں نصب کیے گئے ۔''

'' ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ اس طرح انٹیلیجنس والوں کو یعنی ہمیں مطمئن رکھا جائے ...یعنی ہم یہ سوچ کر مطمئن ہوتے رہیں کہ جناب ہم ان وارداتوں کے اصل مقصد تک پہنچ چکے ہیں اور معاملے کی تہہ تک پہنچ چکے ہیں ... اس سے انہیں یہ فائدہ ہوا کہ ہم اصل بات کی طرف توجہ نہ دے سکیں... اور دوسرا مفت کا فائدہ یہ ہوتا کہ اگر یہ جاسوسی آلات ہماری نظروں سے اوجھل رہ جائیں تو ان گھروں میں ہونے والی بات چیت کو بخوبی سنا جا سکتا ... گویا یہ فائدہ وہ اس صورت میں اٹھاتے ۔''

'' کہنے کا مطلب یہ کہ اس فرد یا تنظیم کی کوئی اہم چیز کسی گھر

میں گر گئی ہے ... اور وہ ان وارداتوں کی آڑ میں اس چیز کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں... اور یہی وجہ ہے کہ گارڈز کا راز فاش ہو جانے کے بعد اور آلات کے بارے میں معلوم ہو جانے کے بعد بھی وارداتیں جاری ہیں ...''

''ہوں... تم نے بہت مضبوط خیال ظاہر کیا ہے، اب ہم اس کیس پر اس نئے رخ سے بھی غور کریں گے۔''

''اب اس سے ایک اور بات سامنے آتی ہے۔'' محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔

''اور وہ کیا ؟''

''اگر ان لوگوں کی کوئی چیز کسی گھر میں گری ہے تو وہ مختلف گھروں میں کیوں تلاش کر رہے ہیں، انہیں تو چاہیے تھا کہ بس اسی ایک گھر میں تلاش کرتے ... اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں معلوم نہیں ... ان کی چیز کس گھر میں گری ہے ... لہٰذا جس جس گھر میں اس کا ... یا ان میں سے کسی ایک کا آنا جانا ہے، وہ ان گھروں میں تلاش کر رہے ہیں۔''

''اوہ ... اوہ ... اس کا مطلب ہے ... اس کا ہمارے گھر بھی آنا جانا رہا ہوگا...''



''یا کم از کم اسے ہمارے گھر میں ایک بار کسی ضرورت کے تحت آنا پڑا ہوگا۔''

''بہت خوب... یہ بہت کام کی بات ہے ... ہم اپنی یادداشت کے سہارے یہ جان سکتے ہیں کہ ان دنوں کون کون ہمارے گھر میں آیا تھا اور کیا وہ شخص ان گھروں میں گیا تھا، جن کی تلاشی اب تک لی جا چکی ہے۔''

''مزہ آگیا... اس طرح تو ہم نہایت آسانی سے اس کا نام جان سکتے ہیں۔''

''تو پھر چلو ... پہلے گھر چلتے ہیں ... یہ کام امی جان کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔''

جیپ کا رخ انہوں نے گھر کی طرف موڑ دیا ... بیگم جمشید نے خوشگوار موڈ میں ان کا استقبال کیا ... ورنہ ان کے چہرے پر تو عام طور پر جھنجلاہٹ کے آثار ہوتے تھے :

''خیر تو ہے بیگم ... آج تمہارے چہرے پر مسکراہٹ ہے ... جھنجلاہٹ نہیں۔''

''کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کیلئے مسکرا بھی لینا چاہیئے ...بس اللہ کی مہربانی ہے۔'' وہ مسکرائیں۔

"اللہ کی مہربانی تو پہلے بھی رہی ہے ... پھر تم کیوں جھنجلائی رہتی ہو۔"

"وہ بھی اللہ کی مہربانی تھی۔" انہوں نے کہا۔

"کیا مطلب ... یعنی موڈ کا خوشگوار ہونا بھی اللہ کی مہربانی ہے اور خوشگوار نہ ہونا بھی اللہ کی مہربانی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! اگر موڈ میں جھنجلاہٹ نہ ہوتو خوشگوار موڈ کی خوشی محسوس ہی نہیں کی جاسکتی۔"

"سمجھ گیا ... چلو تو پھر اسی خوشگوار موڈ کو برقرار رکھتے ہوئے اچھی سی چائے پلا دو۔"

"چائے کا پانی میں پہلے ہی چڑھا چکی ہوں ... میری چھٹی حس کہہ رہی تھی ... آپ آج وقت پر چائے پئیں گے۔"

"اور ہمیں آپ کے چھٹی حس پر حیرت ہے، اچھا خیر..."

"ویسے آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ اس مسکراہٹ کے پیچھے شہناز بیگم کا ہاتھ ہے ... آپ لوگوں کے جانے کے بعد خان رحمان بھائی نے انہیں بھی یہاں بلوا لیا تھا لہٰذا یہ ان کے ساتھ گپ شپ کا اثر ہے۔"

"ارے واہ ! بھابھی صاحبہ بھی آئی ہوئی ہیں ... بھئی خان رحمان یہ تم نے بہت اچھا کیا ...اور وہ پروفیسر صاحب کہاں ہیں۔"



"وہ تو تمہارے جاتے ہی ادھر صوفے پر گھوڑے بیچ کر سوگئے تھے ... وہ دیکھو۔" یہ کہہ کر انہوں نے ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کیا۔

"سن رہا ہوں ...سب سن رہا ہوں۔"

ان کی نیند میں ڈوبی آواز ڈرائنگ روم سے آئی ... وہ سب بیساختہ ہنس پڑے۔

اور پھر چائے کے دوران انہوں نے اپنی یاداشت کھنگالنی شروع کر دی کہ اس عرصے کے دوران ان کے گھر کے اندر کون کون آیا تھا۔ بیگم جمشید بھی ان کے ساتھ تھیں ...جہاں ان سے چوک ہو جاتی وہ یاد دلا دیتیں۔

اس ماہ کے دوران خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے گھرانوں کے علاوہ ملاقات کے لیے آنے والے تقریباً دس افراد تھے ... انہوں نے ان دس آدمیوں کے نام پتے نوٹ کر لیے ...

"اب باری باری وارداتوں والے گھروں میں جا کر پتا کرتے ہیں کہ آیا ان کے پاس سے ایسا کوئی ریکارڈ مل سکتا ہے۔"

"لیکن اس وقت ... اس وقت تو شاید کوئی بھی گھر پر نہ مل سکے...مناسب ہوگا کہ شام کو چلیں۔"

"ہاں بہتر تو یہی ہے۔"

'' لیکن شام ہونے میں تو ابھی کافی وقت پڑا ہے ... میں اس دوران دفتر کے کچھ کام نمٹا کر آتا ہوں ... اور تم لوگ بھی اپنا اسکول کا ہوم ورک وغیرہ مکمل کر لو ...'' انسپکٹر جمشید اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے۔

'' ٹھیک ہے ابا جان ... ہم ایسا ہی کریں گے۔''

خان رحمان ، شہناز بیگم اور پروفیسر داؤد بھی ان کے جانے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔

O

پانچ بجے انسپکٹر جمشید گھر لوٹے تو تینوں بالکل تیار تھے۔

اب وہ زاہد نسیم ابدالی کے گھر پہنچے ... اس مرتبہ وہ ذرا ڈھیلے ڈھالے انداز میں ملے ... نہ ہی انہیں رسمی طور پر ہی بیٹھنے کیلئے کہا:

'' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

'' جی ہاں! لیکن میں اب اس سلسلے میں کوئی تفتیش نہیں چاہتا۔''

'' جی ... کیا مطلب ...؟'' انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

'' ہاں! یہی بات ہے۔''

'' لیکن کیوں ...''



'' اس لیے کہ ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا ... کچھ چوری نہیں ہوا ... جاسوسی کے جو آلات میری کوٹھی میں نصب کیے گئے تھے ... وہ بھی نکال لیے گئے ہیں... لہٰذا اب میں کیوں اس سلسلے میں پریشانی اٹھاؤں ... آپ کبھی آ رہے ہیں ، کبھی جا رہے ہیں ... میرے خیال میں تو اس سلسلے کو اب بس یہیں ختم کر دیں۔''

'' آپ کہتے ہیں تو ہم آپ کے ہاں اس سلسلے میں نہیں آئیں گے ... لیکن آپ ایک کام کر دیں ... اس ماہ کے دوران آپ کو جتنے لوگ ملنے کے لیے آئے ہیں... بس ان کے نام پتے دے دیں۔''

'' سوری ... میرے پاس ایسا کوئی رجسٹر یا لاگ بک نہیں ہے ... جس میں وزیٹرز کے ناموں کا اندراج کیا جاتا ہو۔''

وہ دھک سے رہ گئے ... اور انہیں تکتے رہ گئے:

'' اب اگر آپ مجھے اجازت دیں... مجھے چند ضروری کام نمٹانے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیا۔ اور پھر ہاتھ ملاتے ہی پلٹ کر اندر کی طرف چل پڑے۔

پھر یہ بھی باہر نکل آئے۔ باہر آ کر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... جیسے کہہ رہے ہوں: '' یہ کیا ہوا۔''

'' خیر کوئی بات نہیں، آؤ چلیں... ابھی نجم الدین نعمانی اور

خان طورانی خان رہتے ہیں۔''

انہوں نے نجم الدین نعمانی کے دروازے پر گھنٹی بجائی۔

ان کے ہاں بھی کچھ اسی قسم کے سلوک کا سامنا کرنا پڑا ... بلکہ نعمانی صاحب نے ملازم کے ہاتھ ہی کہلا بھیجا کہ ان کے پاس ملاقات کیلئے وقت نہیں ہے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو انسپکٹر جمشید اپنے خصوصی صدارتی اجازت نامے کا ضرور استعمال کرتے ...لیکن فاروق کے پوچھنے پر انہوں نے بس اتنا ہی کہا:

''یار پتا نہیں انہیں کس قسم کے دباؤ اور دھمکی کا سامنا ہے ...ہم سے ملنے کے بعد انہیں کوئی سنگین خطرہ لاحق نہ ہوجائے۔''

انہوں نے جیپ میں بیٹھ کر اگنیشن میں چابی لگاتے ہوئے کہا۔

''اور وہ کر ہی کیا سکتے تھے، اب ان کا رخ خان طورانی خان کی طرف تھا ...وہاں بھی انہی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ...خان طورانی خان نے بھی ان سے ملنے سے انکار کر دیا۔

وہ تھکے تھکے انداز میں گاڑی میں آ بیٹھے ... اور گھر آ گئے۔ چاروں کی پیشانیوں پر سوچ کی گہری لکیریں تھیں:

''آخر یہ ہوا کیا۔'' فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

''اس کا صاف مطلب ہے ... ان لوگوں کو دھمکی دی گئی ہے،



اگر انہوں نے ہمیں کچھ بتایا تو ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا... کیا اچھا نہیں ہوگا ... یہ ہمیں معلوم نہیں۔''

''لیکن ابا جان! یہ لوگ تو بڑے بااثر لوگ ہیں ... ان کے پاس بڑے وسائل ہیں، بہت پہنچ ہے ان کی ... یہ خاص لوگ ہیں ... عام لوگ تو ہیں نہیں کہ کسی کی معمولی سی دھمکیوں میں آجائیں۔''

''دھمکی بھی عام دھمکی نہیں ہو گی... کوئی خاص دھمکی ہوگی۔''

''ہوں! پھر اب کیا کرنا ہے۔''

''اس سلسلے میں ابا جان! میری ذہن میں ایک تجویز ہے۔'' ایسے میں محمود نے کہا۔

''اللہ کا شکر ہے ... ان حالات میں کوئی تجویز تو ہے۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید مسکرا دیے ... پھر انہوں نے کہا:

''ہاں محمود! کیا تجویز ہے۔''

''یہ جو دس لوگ اس دوران ہمارے گھر آئے ہیں... ہم انہیں چیک کر لیں... کیونکہ باقی تین حضرات سے ہمیں ملاقاتیوں کے نام نہیں ملے، اگر مل جاتے تو ہمارا کام آسان ہوجاتا... کیونکہ مشترکہ ملاقاتی کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اس سارے معاملے

سے تعلق ضرور ہے۔''

'' ہم اپنے ملاقاتیوں کو ضرور چیک کریں گے ... لیکن اس سے پہلے ہم ایک کوشش آئی جی صاحب کے ذریعے کیوں نہ کریں... یعنی وہ اپنے طور پر ان حضرات سے ملاقاتیوں کے نام معلوم کر لیں۔''

'' میرا خیال ہے کہ تینوں ہی حضرات مزید تعاون نہیں کریں گے... آئی جی صاحب کو بھی صاف انکار کر دیں گے ...بلکہ ہوسکتا ہے کہ سرکاری طور پر بھی ہم پر اس معاملے سے باہر آنے کیلئے دباؤ ڈالا جائے... لہٰذا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا... ہاں! ہم اپنے طور پر یہ کوشش کرسکتے ہیں... اگرچہ یہ کوشش بہت خطرناک ہوگی ... لیکن مجبوری ہے، ہمیں خطرہ مول لینا پڑے گا۔''

'' لیکن ہم ملاقاتیوں کے نام کیسے حاصل کریں گے۔''

''ان جیسے ہائی پروفائل سرکاری افسران کے گھروں کے گیٹ پر بھی سیکورٹی گارڈز کے پاس ایک رجسٹر ہوتا ہے ... جس میں ملاقات کیلئے آنے والوں کا اندراج رکھا جاتا ہے ... اگر ہم کسی طرح وہ رجسٹر حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں تو کام بن سکتا ہے۔'' فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

'' لیکن عام طور پر ایسے رجسٹروں میں صرف نئے یا کبھی کبھار



کے آنے والوں کے نام لکھے جاتے ہیں .. جبکہ جن لوگوں کا گھر میں آنا جانا زیادہ ہوتا ہے ... یعنی وہ روزانہ یا اکثر آتے جاتے رہتے ہیں ... ایسے مہمانوں کا عام طور پر اندراج نہیں کیا جاتا۔''

'' قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا ...'' فاروق گنگنایا۔

'' پھر ... کیا کیا جائے ؟''

'' میں بتاؤں ! '' فاروق نے ایسے ہاتھ اٹھایا جیسے اسکول میں ٹیچر کے سوال پوچھنے پر بچے جواب دینے کیلئے ہاتھ کھڑے کرتے ہیں۔

'' اب بول بھی چکو ...'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

'' میں نے ابدالی صاحب کے گھر کے علاوہ نعمانی اور طورانی صاحبان کے گھروں میں بھی کلوز سرکٹ کیمرے لگے دیکھے ہیں ... اگر ہم ان کیمروں کی ریکارڈنگ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں تو بات بن سکتی ہے۔''

'' وہ کیسے ؟''

'' ایسے کیمروں ایک DVR ڈیجیٹل وڈیو ریکارڈر سے منسلک ہوتے ہیں ... اور DVR کی ہارڈ ڈسک اگر صرف پانچ سو گیگا بائٹ کی بھی ہو تو اس میں چار کیمروں کی چوبیں گھنٹے کی ریکارڈنگ کا کم از کم گزشتہ ایک ماہ کا ڈیٹا محفوظ رہتا ہے ... ہمیں بس وہ ہارڈ ڈسک

چاہیئے ہوگی ... جس کی ریکارڈنگ ہم اپنے لیپ ٹاپ پر دیکھ سکتے ہیں۔''

'' بہت خوب فاروق ... شاندار تجویز...'' انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھا... پھر بولے:

'' بس تو پھر ... آج رات ہم یہ خطرہ مول لیں گے۔''

'' ابا جان، کیا خیال ہے... اگر ہم سیاہ پوش کے میک اپ میں ہی ان گھروں میں داخل ہوں۔'' فرزانہ بولی۔

'' ٹھیک ہے ... ہم ڈبل میک اپ کیے لیتے ہیں ...اپنے اصل چہروں پر پہلے کوئی اور میک اپ ... میک اپ کے اوپر ہم سیاہ لباس بھی پہن لیں گے ... گویا اس سیاہ پوش کے انداز میں اپنا کام کریں گے... نام اس کا ہوگا ... کام ہمارا بنے گا۔''

'' اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' بیگم جمشید کی آواز دروازے کی طرف سے آئی۔ انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

'' کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں امی جان، کہ ایسا نہیں ہو سکے گا۔''

'' نہ جانے کیا بات ہے ... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''اللہ مالک ہے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''ہاں وہ تو ہے ... اور اس نے ہمیشہ ہماری مدد کی ہے۔''

'' لیکن ہم گھروں میں داخل کیسے ہوں گے؟'' محمود کو جیسے



اچانک کچھ خیال آیا۔

'' یار یہ سوال میں کروں تو کوئی بات بھی ہے ... گھروں میں داخل تو مجھے ہونا ہوتا ہے ... اور اندر جا کر صدر دروازہ کھولنا ہے ... تم کیوں شہر کے اندیشے میں دبلے ہوئے جا رہے ہو۔'' فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

'' اس بار ہم دو ٹیموں نہیں بنائیں گے ... معاملہ ذرا سنگین ہے...ویسے محمود کی بات میں خاصا وزن ہے کہ اس بار گھروں میں داخلے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے ... اس لئے ہم ایک ساتھ مل کر تینوں گھروں پر دھاوا بولیں گے ... کیا کرنا ہے اور کیسے ...یہ میں موقع کی مناسبت سے اسی وقت طے کروں گا۔'' انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی ... ان سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

اور پھر رات کے ٹھیک بارہ بجے وہ زاہد نسیم ابدالی کی کوٹھی کے نزدیک موجود تھے۔

☆☆☆☆☆

# کالے سائے

شہر کے اس حصے میں زیادہ تر بڑے سرکاری افسران کی کوٹھیاں تھیں۔ ان بیوروکریٹس کی تنخواہیں اور مراعات کسی طرح بھی تین چار لاکھ ماہانہ سے کم نہیں تھیں لیکن اس کے باوجود ایک ایک ہزار گز کے پلاٹوں پر بنے ان عالی شان مکانات کی شان و شوکت ان کے مکینوں کی اوپر کی آمدنی کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی۔

ویسے تو دن میں بھی اس علاقے میں چہل پہل نہ ہونے کے برابر ہی رہتی تھی لیکن اس وقت تو نہ آدم نہ آدم زاد والی صورت تھی۔

انسپکٹر جمشید کی جیپ پر اس وقت کسی پرائیوٹ سیکورٹی کمپنی کا مونوگرام دور ہی سے نظر آرہا تھا ... جس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی سیکورٹی کمپنی کے اہلکار نگرانی کیلئے علاقے کے چکر لگا رہے ہیں۔

'' یہ بجلی کے تار دیکھ رہے ہو محمود۔'' انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔



تینوں نے جیپ کے شیشوں میں سے سر نکال کر اوپر کی طرف دیکھا ... اس کوشش میں محمود اور فرزانہ کے سر ٹکرا کر رہ گئے:

'' کیا ہے بھئی! اباجان نے مجھ سے کہا ہے ... تم دونوں سے نہیں ... اس لئے باہر دیکھنے کا حق میرا ہے ... تم لوگ اپنے کام سے کام رکھو ...'' محمود نے جھلا کر کہا۔

'' اباجان نے تمہیں اس لئے کہا ہے کہ ان کے خیال میں تمہیں تار نظر نہیں آرہے ہونگے ... تمہاری آنکھیں جو کمزور ہیں ... یاد نہیں ڈاکٹر انصاری نے کیا کہا تھا ... تمہیں یاد ہے نا فاروق ...'' فرزانہ چڑانے والے انداز میں بولی۔

'' ہاں فرزانہ ... انہوں نے کہا تھا کہ محمود کی نظر کمزور ہو رہی ہے ... اسے بہت جلد عینک لگانا پڑے گی۔'' محمود مسکرایا۔

'' اب سوچو کیسا لگے گا جب محمود عینک لگا کر ران پر ہاتھ مار کر دھت تیرے کی کہے گا اور اس جھٹکے سے اس کی عینک نیچے گر پڑے گی۔'' فرزانہ نے پھر ٹکرا لگایا۔

'' ڈاکٹر انصاری نے سوچا ہوگا کہ تم دونوں کی بینائی تو اس قدر کمزور ہے کہ عینک سے بھی گزارا نہیں ہوگا .. تم دونوں کو تو انہوں نے سفید چھڑی لے کر چلنے کیلئے کہا ہوگا کہ لوگ دیکھیں تو جان جائیں کہ

بیچارے نابینا ہیں اور ترس کھا کر سڑک پار کرا دیں۔'' محمود بھلا کب
چپ رہنے والا تھا۔

'' محمود ! یہ تار دیکھ رہے ہو...'' انسپکٹر جمشید نے اس طرح کہا
جیسے یہ پوری گفتگو ان کے کانوں میں پڑی ہی نہ ہو۔

'' جی ابا جان !'' محمود سنجیدہ ہو کر بولا۔

'' مبارک ہو فرزانہ ...محمود کو تار نظر آ گیا''

اس بار محمود نے فاروق کو اس طرح گھور کر دیکھا جیسے کہہ رہا
ہو... اس وقت تو ابا جان کی وجہ سے خاموش ہوں ... بعد میں تمہیں دیکھ
لوں گا۔ پھر انسپکٹر جمشید کی طرف گردن گھما کر بولا:

'' کوئی خاص بات ہے اس تار میں ؟''

'' خاص بات یہ کہ اگر یہ تار ٹوٹ جائے تو ابدالی کے مکان کی
بجلی بند ہو جائے گی۔''

'' اس سے کیا ہوگا۔''

'' اس طرح ہمیں دیوار سے اندر جانے میں کوئی دیکھ نہیں پائے
گا ... میں دیکھ چکا ہوں اس روز ... کہ بجلی جانے کی صورت میں اس گھر
کا بیک اپ جنریٹر پانچ منٹ سے پہلے اسٹارٹ نہیں ہوگا...''

'' لیکن تار ٹوٹے گا کیسے۔''



'' اس کے لئے تو شارٹ سرکٹ کرنا ہوگا ...اور وہ ہوگا کیسے۔''

'' ہم تار کو کاٹ بھی تو سکتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

'' کک ...کیسے ابا جان ... اس کیلئے تو کھمبے پر چڑھنا پڑے گا۔''

محمود اور فرزانہ نے ایک ساتھ گھوم کر فاروق کی طرف دیکھا ...
فاروق کے دیوتا کوچ کر گئے۔

'' ارے باپ رے ...'' فاروق کے منہ سے کراہتے ہوئے لہجے
میں نکلا اور وہ زبان نکالے ہوئے اپنی سیٹ پر ڈھیر ہوگیا۔ انسپکٹر جمشید
ہنس پڑے:

'' نہیں بھئی ... یہ کام فاروق نہیں بلکہ محمود تم کرو گے۔''

'' جی ابا جان ...اس کے منہ سے مری مری آواز نکلی۔

'' ارے نہیں بھئی ...تم بھی غلط سمجھے ... کھمبے پر چڑھنے کی کسی کو
بھی ضرورت نہیں ...''

'' تو پھر تار کیسے ٹوٹے گا ...''

'' محمود کے چاقو سے ...''

'' کیا !!!'' تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

'' ہاں محمود ...تم نشانہ لے کر اپنا چاقو تاروں کی طرف اچھال
پھینکو گے ... لیکن خیال رہے کہ سب سے اوپر والا تار کٹنا چاہیے۔''

"کیوں ... اوپر والا کیوں؟"

"اس لئے کہ اوپر والا تار ٹوٹ کر نیچے والے تاروں پر گرے گا اور اس طرح شارٹ سرکٹ ہونے کی وجہ سے کھمبے پر لگا ہوا سیفٹی سرکٹ بریکر آف ہو جائے گا ... اور علاقے کی بجلی بند ہو جائے گی ... سمجھ میں آئی بات ..." فاروق کہتا چلا گیا۔

محمود نے اس کی بات سن کر اپنے والد کی طرف دیکھا ... انہوں نے سر ہلا کر فاروق کی بات کی تائید کی۔

محمود نے جھک کر جوتے کی ایڑی کھسکا کر اندر سے پروفیسر داؤد کا ایجاد کردہ وہی چاقو نکالا جو اس سے قبل بھی کئی مہمات میں ان کے کام آیا تھا ... اس چاقو سخت سے سخت دھات کو اس طرح کاٹ دیتا تھا جیسے وہ دھات نہ ہو بلکہ مکھن کی ٹکیہ ہو ... اور آج اسے تانبے کے تقریباً آدھے انچ موٹے تار کو کاٹنا تھا۔

"آؤ ... پہلے ہم مکان کی دیوار کے پاس چلتے ہیں ... محمود تم بھی تار کے کٹتے ہی فوراً ہمارے پاس چلے آؤ گے ... جیسے ہی اندھیرا ہوگا... میں اس دوسرے چاقو سے چار دیواری کے اوپر لگے یہ خار دار تار کاٹوں گا اور فاروق اور فرزانہ کے ساتھ اندر کود جاؤں گا ... محمود یہیں باہر ٹھہر کر نگرانی کرے گا اور جیپ اسٹارٹ رکھے گا ... ہم لوگوں کے پاس



صرف پونے پانچ منٹ ہوں گے ... اس پونے پانچ منٹ کے دوران ہم کو گھر کی عمارت کے اندر بھی داخل ہونا ہے اور ڈی وی آر سے ہارڈ ڈسک نکال کر واپس بھی آنا ہے ... کیونکہ اگر پانچ منٹ بعد جنریٹر اسٹارٹ ہوگیا تو چار دیواری سے باہر آنا بہت مشکل ہوجائے گا ..."

یہاں تک کہہ کر انہوں نے ان کی طرف دیکھا ... پھر بولے:

تو پھر شروع کریں ..."

یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے سیاہ لباس کی نقاب کھینچ کر چہرے پر چڑھا لی ... ساتھ ہی ان تینوں نے بھی یہی کیا ... پھر وہ جیپ سے اتر آئے ... سیاہ لباس میں اب وہ حقیقتاً چار کالے سائے نظر آرہے تھے ... احتیاطی طور پر وہ چل کر نہیں بلکہ زمین پر رینگ کر آگے بڑھ رہے تھے ... آخر وہ دیوار کے ساتھ ایک نسبتاً اندھیرے مقام پر پہنچ گئے۔

اب انسپکٹر جمشید نے محمود کو اشارہ کیا ... اس نے چاقو ہاتھ میں تولا ... فاصلے اور سمت کا اندازہ لگایا اور چاقو کو پھل کی طرف سے پکڑ کر پوری قوت سے تاروں کی طرف کھینچ مارا ... چاقو سنسناتا ہوا اوپر والے تار سے جا ٹکرایا ... ساتھ ہی روشنی کا جھماکا سا ہوا اور پھر زوردار پٹاخوں کی طرح کے یکے بعد دیگرے چار پانچ دھماکے ... پھلجھڑیوں کی طرح کے شعلے فضاء میں بلند ہوئے ... پھر تار ٹوٹنے کی جھنجھناہٹ کے

ساتھ ہی گھپ اندھیرا چھا گیا... ساتھ ہی گہرا سناٹا بھی ... پھر آس پڑوس کے کسی مکان سے کسی دل جلے نے بجلی والوں کو بے نقط صلواتیں سنا ڈالیں ... وہ مسکرا کر رہ گئے ... کیونکہ دراصل ان صلواتوں کے اصل حقدار تو اس وقت وہ خود تھے۔ ابدالی کے مکان بھی اندھیرے میں ڈوب چکا تھا... انسپکٹر جمشید نے جیب سے محمود کے چاقو جیسا ایک چاقو نکالا ... اسی چاقو کی مدد سے وہ ''پہاڑ کا سمندر'' والی مہم میں اژدر جاقیہ کی قید سے آزاد ہوئے تھے۔

فاروق کے کندھوں پر چڑھ کر وہ اوپر اٹھے اور خار دار تاروں تک پہنچ کر دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے دیوار کے دو فٹ حصے کے تار کاٹ کر اندر کی طرف پھینک دیئے۔ پھر وہ دیوار پر چڑھ گئے اور فاروق اور فرزانہ کو دیوار پر چڑھنے کا اشارہ کیا ... ایک ایک کر کے دیوار پر چڑھ کر وہ اندر کود گئے ... یہ شاید پیچھے والے لان کا کوئی حصہ تھا ... گھاس پر سے ہوتے ہوئے وہ عمارت کی طرف بڑھے ... نومبر کا دوسرا ہفتہ تھا اور اوس پڑنے کی وجہ سے گھاس کافی نم تھی ... ایک جگہ انہیں اوپر جانے کا پائپ آیا ... تینوں وہیں ٹھہر گئے:

''چلو فاروق! بسم اللہ کرو۔'' محمود نے دبی آواز میں کہا۔

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔'' اس نے کہا اور جوں کا توں کھڑا رہا۔



''کیا ہوا... شروع نہیں ہوئے۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''تم نے کہا ہے، بسم اللہ کرو... میں نے بسم اللہ کر دی۔'' جواب میں اس نے بھی منہ بنایا۔

''حد ہو گئی ... بھائی مطلب یہ کہ تمہارے سامنے پائپ موجود ہے ... اس پر چڑھو۔'' محمود جھلا اٹھا۔

''ایک تو یہ ہر جگہ پائپ ٹپک پڑتے ہیں۔'' اس نے جل کر کہا اور پائپ پر چڑھتا چلا گیا۔ جلد ہی وہ چھت پر نظر آیا۔ اس نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور موبائل فون کی روشنی میں زینے کی طرف بڑھا۔ زینہ دوسری طرف سے بند تھا... اب اس نے جیب سے ریشم کی ڈوری نکالی، اسے گرل سے باندھا اور اس کے ذریعے نیچے اترتا چلا گیا... فرش پر پاؤں لگے تو اس نے صحن کے چاروں طرف دیکھا... دن میں وہ اس کوٹھی کو اندر سے دیکھ ہی چکے تھے، لہٰذا فاروق ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا ... اس نے بیرونی دروازہ کھولا اور گھوم کر کوٹھی کی پشت پر آیا ... اسے دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید اور فرزانہ حرکت میں آ گئے۔ اب وہ سب کوٹھی کے اندر تھے۔

انہوں نے زاہد نسیم ابدالی کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے... دروازہ اندر سے بند تھا۔ موسم چونکہ سرد تھا ... اس لیے

اے سی چلنے کی آواز بھی نہیں تھی۔ انسپکٹر جمشید نے جیب سے ماسٹر کی
نکالی اور دروازہ کے تالے پر جھک گئے۔ ان کی صرف ایک منٹ کی
کوشش سے تالا کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

اندر زاہد نسیم ابدالی پر سکون انداز میں سو رہے تھے ... اور ان
کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا... انہوں نے محمود کو اشارہ کیا۔ اس نے
آگے بڑھ کر ان کا کندھا پکڑ کر ہلایا... پھر جونہی ان کی آنکھ کھلی ... وہ
اچھل کر بیٹھ گئے... آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئیں۔

"کک... کیا مطلب... تت... تم ... تم کون ہو؟"

"خدائی فوج دار۔" انسپکٹر جمشید بدلی ہوئی آواز میں بولے۔

"کیا چاہتے ہو۔"

"ہارڈ ڈسک۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ہارڈ ڈسک ... کیا مطلب ؟"

"اگر آپ ہارڈ ڈسک کا مطلب نہیں سمجھتے تو مجبوری ہے کیونکہ
اردو میں اس کے لئے ابھی کوئی لفظ ایجاد نہیں ہوا ... بس ہم اور کچھ
نہیں کہیں گے آپ سے۔" فاروق بھی بدلی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیسی ہارڈ ڈسک۔" وہ بڑی طرح چونکے۔

"سیکورٹی کیمروں کے ڈی وی آر کی ہارڈ ڈسک ...لیکن افسوس



کہ ڈی وی آر کیلئے بھی ابھی تک اردو میں کوئی لفظ دستیاب نہیں... اگر
آپ نے ہارڈ ڈسک نہ دی تو ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" ان الفاظ کے
ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں ایک خوفناک پستول نظر آیا:

"ذرا جلدی کریں ... یہ پستول زیادہ دیر انتظار نہیں کرسکتا۔"
فاروق کے منہ سے پھر بدلی ہوئی آواز نکلی۔

"کیا کہا... پستول انتظار نہیں کرسکتا۔"

"ہاں!"

"آخر تم لوگ ہارڈ ڈسک ...اوہ سمجھا... سنو ... تم میری جان
لے سکتے ہو ... ہارڈ ڈسک نہیں لے سکتے ..." وہ اچانک سخت ہو گئے۔

"تم نے دیکھا... میں نے کیا کہا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے اپنے
ساتھیوں پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔"

"تب پھر وہی کرنا ہوگا جو ہم سوچ کر آئے تھے۔"

"تو پھر شروع کریں۔"

"کیا مطلب ... تم لوگ کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"ایک بہت پرامن کارروائی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور پستول کا
ٹریگر دبا دیا۔اس سے فائر کی آواز نہیں گونجی... نہ کوئی گولی اس سے

نکلی... البتہ پانی جیسے مائع کی پچکاری سی نکل کر سیدھی زاہد نسیم ابدالی کی طرف گئی تھی اور پھر وہ بستر پر ڈھیر ہو گئے۔

یہ پستول بھی پروفیسر داؤد کا خاص پستول تھا... ایسے موقعوں پر وہ ان سے کام کرتے تھے... ویسے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ پروفیسر داؤد کی ایجادات ان کے اکثر بہت کام آئی تھیں... اب انہوں نے گھر کی تلاشی شروع کی، جلد ہی ٹی وی لاؤنج میں دیوار میں نصب ایک شیشے کے کیبنٹ میں انہیں ڈی وی آر نظر آ گیا... فرزانہ نے اس کو کھول کر ہارڈ ڈسک نکال لی... اب انہوں نے اطمینان کا سانس لیا... چار منٹ ہو چکے تھے ہارڈ ڈسک ملتے ہی انہوں نے واپسی کی ٹھانی... جیسے ہی واپس لان میں پہنچے... انہیں یعقوب علی لان عبور کر کے دوسری طرف جاتا دکھائی دیا... شاید وہ جنریٹر چلانے جا رہا تھا... انہوں نے تیزی کے ساتھ لان عبور کیا اور دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئے... اسی وقت ابدالی کے مکان کے بلب روشن ہو گئے ...انہوں نے دوڑتے دوڑتے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا... اپنا مشن مکمل کرنے میں انہیں پورے چار منٹ چوالیس سیکنڈ لگے تھے اور جنریٹر ان کی توقع سے پندرہ سیکنڈ پہلے اسٹارٹ ہو گیا تھا... پھر وہ گاڑی میں آ بیٹھے... ان کے بیٹھتے ہی گاڑی حرکت میں آ گئی... جلد ہی



وہ علاقے سے باہر نکل کر مین روڈ پر آ چکے تھے... جہاں شہر کی رونقیں حسب معمول رواں دواں تھیں۔

گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے لیپ ٹاپ اٹھایا اور ہارڈ ڈسک اس سے منسلک کر کے وڈیو مناظر کو ایک مہینہ پہلے کی تاریخ پر لا کر دیکھنا شروع کیا... جن جن ملاقاتیوں نے زاہد نسیم ابدالی سے ملاقات کی تھی... ان کے نام لکھ لیے گئے:

"یہ تو ہو گئی ایک ڈسک... ہمیں ایسی دو ڈسکیں اور حاصل کرنا ہوں گی۔ اور یہ کام آج اور ابھی کرنا ہو گا... کیونکہ ابدالی صاحب بے ہوش ہیں۔ اور تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں آ نہیں سکتے لہٰذا کسی کو کچھ نہیں بتا سکتے..."

اس طرح انہوں نے عجیب و غریب طریقوں سے نجم الدین نعمانی اور خان طورانی خان کے گھروں کے اندر گھس کر باقی دو ڈسکیں بھی حاصل کر لیں... ان میں جن جن ملاقاتیوں کے نام تھے وہ بھی نوٹ کر لیے گئے... خود ان سے جن لوگوں نے ملاقات کی تھی، وہ نام بھی لکھ لیے گئے... اب انہیں تلاش تھی ایک ایسے نام کی... جو ان چاروں جگہوں پر ملاقات کے لیے گیا تھا اور اس وقت ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا... جب انہیں ایسا کوئی نام ان ناموں میں نہیں ملا...

چاروں جگہوں پر جانے والا کوئی شخص بھی ان ناموں میں شامل نہیں تھا ۔ اب تو ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا:

''یہ کیا بات ہوئی ... کیا ہمارے اب تک کے تمام اندازے غلط ہیں... ہم غلط لائن سے سوچ رہے ہیں۔''

''ایسا ہی لگتا ہے ... یہ کیس کچھ اور ہے... اور ہم اسے کچھ اور سمجھ رہے ہیں۔''

''ایسا لگتا ہے کہ یہ کیس ہمیں ناکوں چنے چبوائے گا۔''

''بے وقوف کہیں کا۔'' فاروق نے جل کر کہا۔

''کک ... کون۔'' محمود اس کی طرف مڑا۔

''بھئی کیس اور کون ... بھلا دانتوں چنے چبوائے لینے میں کیا حرج ہے اس کا۔''

''تنگ نہ کرو یار... ہم بہت پریشان ہیں۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے... '' فرزانہ نے منہ بنایا۔

''جھنجھلانے سے کچھ ہوگا نہ منہ بنانے سے، کچھ ہوگا تو غور وفکر کرنے سے ہوگا ... یہ کیس دراصل غور طلب ہے ...'' انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا۔

''بہت بہتر، ہم غور وفکر شروع کرتے ہیں، ہمارا کیا جاتا ہے۔''

فاروق نے فوراً کہا اور وہ اس کے انداز پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

رات گئے تک وہ سوچ میں ڈوبے رہے ... لیکن کوئی بات سجھائی نہ دی ... اور نہ جانے کب انہیں نیند نے آلیا ... سب وہیں فرش پر لیٹے اور سوتے چلے گئے... بات درمیان میں رہ گئی۔

دوسرے دن ناشتے کے بعد وہ پھر سر جوڑ کر بیٹھے۔ وہ اتوار کا دن تھا ... انہیں نہ دفتر جانا تھا، نہ اسکول، لہٰذا وہ پورے سکون سے اس مسئلے پر غور کر سکتے تھے... بہت دیر کی سوچ بچار کے بعد آخر فرزانہ کی آواز سنائی دی:

''ایک بات ذہن میں آتی ہے ... لیکن۔''

''اس میں لیکن کہاں سے لے آئیں۔'' فاروق بولا۔

''یہ خود بخود چلا آیا ... میں نہیں لائی۔'' فرزانہ جھلا اٹھی۔

''خیر خیر ... یہ بتاؤ کیا بات ذہن میں آئی ہے۔'' خان رحمان بے تابانہ انداز میں بولے۔

''ہم ان چار گھروں میں سے اپنا گھر نکال کر دیکھتے ہیں ... کوئی نام مشترک ہے یا نہیں۔''

''لیکن ہم اپنا گھر کیوں نکالیں۔'' محمود نے اسے گھورا۔

''پتا نہیں... بس ایسے ہی یہ بات ذہن میں آئی تھی ... میں نے

کہہ دی۔ ویسے اگر اس طرح بھی کوئی مشترک نام سامنے نہ آیا تو پھر
باقی تین میں سے ایک گھر الگ کر کے رکھیں گے ، یعنی اپنا گھر شامل
کریں گے اور ایک نکال دیں گے۔ اسی طرح پھر دوسرا الگ کر کے
دیکھیں گے اور پھر تیسرا۔''

'' میرے خیال میں ایسا کر کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ۔''
انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔

اب انہوں نے اپنا گھر الگ کر دیا ... یعنی وہ ملاقاتی نکال دیے،
جنہوں نے ان کے گھر میں آ کر ملاقات کی تھی ۔ اب باقی تین گھروں
کے نام آمنے سامنے رکھے گئے اور پھر وہ بڑی طرح اچھلے ... کیونکہ ان
میں ایک نام مشترک تھا... افراسیاب خان...

O

ان کے چہروں پر جوش پھیل گیا ... اتنی کوشش کے بعد کم از کم
ایک آدمی تو سامنے آیا تھا:

'' اب یہاں سوال یہ ہے کہ اس شخص نے ہم میں سے تو کسی
سے ملاقات کی نہیں ... تو پھر ہمارے گھر کی تلاشی کیوں لی گئی اور کیوں
یہاں آلات نصب کیے گئے... یہ شخص اگر کسی چیز مثلاً کسی فائل وغیرہ



کی تلاش میں ہے تو ہمارے گھر تو پھر یہ آیا ہی نہیں...'' انسپکٹر جمشید
پریشانی کے عالم میں کہتے چلے گئے:

'' لگتا ہے ... ہم اب بھی کیس کا غلط رخ سے جائزہ لے رہے
ہیں ۔'' محمود نے منہ بنایا۔

'' اور میں کہتی ہوں ... اس مشترکہ ملاقاتی سے مل لینے میں کیا
حرج ہے..''

'' ٹھیک ہے ... پہلے یہی کام کر لیتے ہیں۔''

وہ اسی وقت گھر سے روانہ ہو گئے ... تین گھروں کے مشترکہ
مہمان کا نام افراسیاب خان تھا ... وہ محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر جنرل
تھے۔ ان کی رہائش کے بارے میں انہیں پہلے ہی معلوم تھا ،لہٰذا سیدھے
وہاں جا پہنچے ... محمود نے دروازے پر دستک دی ... جلد ہی ایک ملازم
باہر آیا:

'' جی فرمایئے ۔''

'' ہمیں افراسیاب صاحب سے ملنا ہے ... یہ میرا کارڈ لے
جائیں ۔''

'' جی اچھا! آپ اندر آ کر لان میں تشریف رکھیں۔''

وہ اندر چلے آئے اور گھاس پر بچھی کرسیوں پر بیٹھ گئے ۔

انہوں نے ایک نظر اس لان پر ڈالی... گھاس اور پودوں کی تراش خراش
سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ افراسیاب صاحب نے کوئی ماہر مالی رکھا
ہوا ہے۔ آگے نظر دوڑائی تو سفید رنگ کی عمارت انہیں خوش آمدید کہتی
محسوس ہوئی تھی ... اور پھر انہوں نے افراسیاب خان کو آتے دیکھا... وہ
بہت سی تقریبات میں انہیں دیکھ چکے تھے:

"السلام علیکم صاحبان۔" انہوں نے قریب آنے پر کہا۔

"وعلیکم السلام۔" ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

"آپ کی آمد پر حیرت سی محسوس کر رہا ہوں اور الجھن بھی،
کیونکہ آپ لوگ عام لوگ تو ہیں نہیں... لہٰذا بلاوجہ تو آ نہیں سکتے۔"

"آپ کا اندازہ درست ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ کہہ کر آپ نے میری الجھن میں اضافہ کر دیا... اب مہربانی
فرما کر ذرا جلدی سے بتائیں... کیا معاملہ ہے۔"

"آپ نے گزشتہ پندرہ دن کے دوران زاہد نسیم ابدالی صاحب،
نجم الدین نعمانی اور خان طورانی خان صاحب سے ملاقاتیں کی ہیں۔"

"جی ... جی ہاں ... کی ہیں... تو پھر کیا یہ کوئی جرم ہے ... یہ
حضرات میرے دوست ہیں اور میں اکثر ان کے ہاں جاتا رہتا ہوں،
وہ میرے ہاں آتے رہتے ہیں۔"



"بالکل ٹھیک۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا... اس دوران وہ
بغور ان کا جائزہ لے چکے تھے... وہ درمیانے قد کا سڈول سا آدمی تھا۔
ان کی آنکھوں سے ذہانت ٹپک رہی تھی... ہاتھوں کی حرکات سے معلوم
ہوتا تھا... کچھ بے چین طبیعت کے مالک ہیں... کیونکہ ان کے ہاتھ
مسلسل حرکت کرتے نظر آئے تھے... کبھی میز پر رکھی چیزوں کو ادھر
سے ادھر کیا... کبھی کان کی لو کو پکڑ کر مسلا ... کبھی سر کے بالوں
میں انگلی سے کھجلی کی ... مطلب یہ کہ شاید وہ نچلے بیٹھنے کے عادی نہیں
تھے... میز پر رکھے پیپر ویٹ کو بھی وہ اتنی سی دیر میں کئی بار گھما چکے
تھے... یوں وہ چہرے مہرے سے ایک باوقار آدمی نظر آئے ... ان کی
آنکھیں سیاہ اور نرم ملائم سی تھیں... پیشانی کشادہ تھی... اور ناک سیدھی
... ہونٹ قدرے موٹے اور نرم نرم لگے... گال بھرے بھرے تھے...
اس حلیے کے مطابق وہ انہیں کافی معقول لگے:

"آپ ان کے دوست ہیں... وہ آپ کے ... لہٰذا ایک
دوسرے کے ہاں آنا جانا کوئی عجیب بات نہیں ... دوسری طرف ہمارا
واسطہ صرف عجیب وغریب باتوں سے ہی پڑتا ہے...اب سنیے ... چند
دن پہلے زاہد نسیم ابدالی صاحب کے گھر میں نصف رات کو ایک سیاہ پوش
داخل ہوا ... سیاہ پوش سے مطلب یہ ہے کہ وہ سر سے پیر تک سیاہ

لباس میں ملبوس تھا ... بس اس لباس میں آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے... اس نے ان پر پستول تان دیا.... پھر ان کو بے ہوش کر دیا... گھر میں صرف دو کمروں کی تلاشی لی ... یعنی ان کے ڈرائنگ روم کی اور ان کے ذاتی کمرے کی... اور پھر وہ چلا گیا ... پتا چلا، وہ کچھ بھی نہیں لے گیا تھا... یہ بات حد درجے عجیب تھی... سوال یہ تھا کہ پھر وہ کیوں آیا تھا... بالکل ایسی ہی وارداتیں نجم الدین نعمانی اور خان طورانی خان کے ہاں ہوئیں ... وہاں بھی وہ سیاہ پوش آیا اور تلاشی لے کر چلا گیا ... لیکن لے کر کچھ نہیں گیا۔'' یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

'' پھر اس سلسلے میں آپ میرے پاس کیوں تشریف لائے ہیں۔''

'' سیاہ پوش نے بالکل ایک جیسی وارداتیں کی ہیں... ان لوگوں سے ان چند دنوں کے اندر اندر ان تین گھرانوں سے جن لوگوں نے ملاقاتیں کی ہیں... ان میں ایک نام مشترک ہے ... یعنی صرف اس نے ان تینوں گھروں میں جا کر ان کے رہنے والوں سے ملاقاتیں کی ہیں... یعنی اور کوئی ملاقاتی تینوں گھروں میں نہیں گیا ... تینوں گھروں میں صرف ایک ہی شخص گیا ہے ... اور وہ آپ ہیں۔''

'' کیا مطلب؟'' مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

'' مطلب یہ کہ آپ نے چندون پہلے ان تینوں حضرات سے



ملاقات کی ہے۔''

'' لیکن اس سے کیا ہوگیا ... وہ میرے دوست ہیں۔''

'' ہاں! لیکن آخر وہ سیاہ پوش انہی تین گھروں میں کیوں آیا ... اس نے کسی اور گھر میں واردات کیوں نہیں کی۔''

'' اس کا جواب تو وہی دے سکتا ہے، بھلا مجھے کیا معلوم۔''

'' خیر... آپ صرف یہ بتا دیں، آپ نے ہمارا گھر دیکھا ہے۔''

''بالکل دیکھا ہے ...کسی تقریب کے سلسلے میں میں وزیر اعلیٰ کے ساتھ آپ کے گھر گیا تھا... مطلب یہ کہ مجھے الگ سے دعوت نہیں دی گئی تھی ... وزیر اعلیٰ صاحب کو آپ کے ہاں جانا تھا ... چونکہ میرا تعلق محکمہ اطلاعات سے ہے، اس لیے وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔''

'' شکریہ! بس ہمیں یہی معلوم کرنا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ لگے اٹھنے۔

'' لیکن آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔''

'' آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... ہم نے آپ سے صرف اس خیال کے تحت ملاقات کی ہے کہ جن تین گھروں میں وارداتیں ہوئی ہیں... آپ ان تینوں گھروں میں گئے تھے۔''

'' لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں بنتا کہ وہ وارداتیں میں نے کی ہیں۔'' وہ منہ بنا کر بولے۔

"یہ تو خیر میں نے کہا بھی نہیں۔"

"لیکن آپ کی بات کا مطلب یہی نکلتا ہے۔"

"تفتیش کرنے والوں کو ہر رخ سے غور کرنا پڑتا ہے ... ہمارے حساب سے یہ معاملہ حد درجے عجیب نوعیت کا ہے ... خیر فی الحال آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"شکریہ۔" وہ مسکرا دیے۔

عین اسی لمحے ان کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی ... فون آئی جی صاحب کا تھا... جونہی انہوں نے فون کان سے لگایا... اچھل پڑے:

☆☆☆☆☆



# کان میں بُو

ان کی نظریں اپنے والد پر جم گئیں:

"لگتا ہے ... کوئی خاص خبر ملی ہے آپ کو۔"

"ہاں! رائے کبیر سیکریٹری محکمہ داخلہ کے گھر میں بھی واردات ہو گئی ہے۔"

"آپ... آپ کا مطلب ہے ... بالکل یہی واردات۔" محمود چلا اٹھا۔

"ہاں! بالکل یہی۔" انہوں نے سر ہلایا۔

"اُف مالک! یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"اور مزے کی بات ... ان کے بھی گارڈز واردات کے بعد سے غائب ہیں۔"

"اوہ ... اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"آؤ... ذرا ان کے ہاں بھی ہو آئیں... خود آئی جی صاحب

نے بھی یہی ہدایت کی ہے۔''

''ویسے افراسیاب خان صاحب ... کیا آپ نے ان چند دنوں کے اندر رائے کبیر صاحب سے ملاقات تو نہیں کی۔''

ان کے منہ سے کچھ نہ نکل سکا ... بلکہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتے رہے:

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''یہ حیرت انگیز بات ہے ... میں نے ان سے بھی ملاقات کی ہے۔''

''اوہ؟'' ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''اور اب میں ایک بات سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں۔'' رائے کبیر بولے۔

''اور وہ کیا؟''

''یہ کہ کوئی شخص مجھے پھنسوانے پر تلا ہے ... وہ صرف ان گھروں میں یہ وارداتیں کر رہا ہے، جن گھروں میں میں نے جا کر ملاقاتیں کی ہیں ... ورنہ آپ خود بتائیں ... ان وارداتوں سے میرا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔''

''مقصد کی تلاش میں تو ہم مارے مارے پھر رہے ہیں ... اگر



مقصد معلوم ہوتا تو ہم آسانی سے مجرم تک پہنچ پاتے۔''

''اللہ آپ کو مجرم تک پہنچا دے ... کیونکہ اسی صورت میں آپ مجھ پر شک کرنے سے باز آئیں گے۔'' انہوں نے لہجے میں بیچارگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بات تو خیر آپ نے ٹھیک کہی ... اور اب ہم اجازت چاہیں گے ... کیونکہ ہمیں رائے کبیر صاحب سے ملنا پڑے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' انہوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے ...

جلد ہی وہ رائے کبیر کے سامنے بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے ... لیکن وہ اس قسم کے رویوں کے عادی تھے اور اس کیس میں تو لوگوں کی ناگواری اور بدتمیزی کا ان کو بار بار سامنا کرنا پڑا تھا:

''میں اس سلسلے میں کوئی تفتیش نہیں چاہتا ... میں نے آئی جی صاحب کو صرف اطلاع دی تھی کہ ایسا ہوا ہے ...''

''بے شک آپ کو اس کی تفتیش کی ضرورت نہیں ... لیکن یہ ضرورت ہماری ہے ... ہم اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں اور جاننا چاہتے ہیں کہ اس طرح آپ کے گھر میں گھسنے سے اس کا آخر مقصد کیا ہے ... کیونکہ یہی ہمارا کام ہے ... گو کہ آج اس نے آپ کو نقصان نہیں پہنچایا

لیکن ایسے لوگوں کو اس بنیاد پر کھلی چھوٹ نہیں دی جا سکتی کہ وہ گھروں میں گھستے تو ہیں لیکن کوئی نقصان نہیں پہنچاتے ... شاید آپ کو تفتیش سے دلچسپی ہو یا نہ ہو لیکن قانون کی مدد تو آپ کو بہر حال کرنی چاہیے ... البتہ اگر آپ محسوس نہ کریں تو ہمیں ایک بات ضرور بتا دیں۔'' انسپکٹر جمشید نے تلخ لہجے میں کہا۔

'' آپ بڑا مان گئے ... لیکن مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں... کیونکہ میرا اپنا ایک مزاج ہے ... میں اس معاملے میں پڑ کر اپنے آپ کو الجھن میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا ... بہر حال پوچھیے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

'' چند دن پہلے محترم افراسیاب خان نے آپ سے ملاقات کی تھی... اگر کوئی حرج نہ ہو تو ہم جاننا چاہتے ہیں کہ انہوں نے آپ سے کس سلسلے میں ملاقات کی تھی۔''

ان کا سوال سن کر وہ کئی سیکنڈ تک کچھ نہ بولے... بس خاموشی سے ان کی طرف دیکھتے رہے ... جیسے سوچ رہے ہوں، اس سوال کا کیا جواب دوں... آخر ان کے ہونٹ ہلے:

'' وہ کسی سرکاری سلسلے میں ملنے کے لیے آئے تھے... میرے دوست ہیں، اکثر آتے رہتے ہیں ...''



'' شکریہ!'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

رائے کبیر نے اٹھے بغیر بہت بے دلی سے ہاتھ آگے بڑھا دیا، جیسے کہہ رہے ہوں:

'' کوئی ضرورت تو نہیں ہاتھ ملانے کی ... لیکن چونکہ آپ نے ہاتھ آگے بڑھا دیا ہے... اس لیے ... ملائے لیتا ہوں۔''

وہ باہر نکل آئے ... گاڑی میں بیٹھتے ہی انسپکٹر جمشید نے افراسیاب خان کا نمبر ملایا اور سلسلہ ملنے پر بولے:

'' آپ سے ایک سوال ہے۔''

'' ہاں فرمائیے۔'' وہ بولے۔

'' آپ نے ان دنوں زاہد نسیم ابدالی، نجم الدین نعمانی، خان طورانی خان اور رائے کبیر صاحبان سے ملاقات کس سلسلے میں کی تھیں۔''

'' ہائیں! یہ کیا سوال ہوا... بھئی میں بتا چکا ہوں کہ یہ حضرات میرے دوست ہیں ... میں ان کے ہاں ملنے کے لیے جاتا رہتا ہوں... یہ لوگ میرے ہاں آتے رہتے ہیں۔''

'' ہوں... شکریہ! اگر آپ محسوس نہ کریں تو ایک سوال کا جواب اور دے دیں۔''

'' ضرور ... کیوں نہیں۔''

"آپ نے ان دنوں کچھ اور لوگوں سے ملاقاتیں کی ہوں گی... کیا ان کے نام پتے بتا سکتے ہیں۔"

"ہاں! کیوں نہیں... لیکن میں اپنی ملاقاتوں کی ڈائری میں دیکھ کر بتا سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے... آپ ڈائری دیکھ لیں اور بتا دیں۔"

ایک منٹ بعد انہوں نے چار نام بتائے...

"افسر کیانی، فاخر مجاہد، خاور عباس اور فاضل تیمور خان ہیں... جن کے گھروں پر جا کر میں نے ملاقات کی ہے... اور ان سب کا تعلق بھی میری طرح وزارت داخلہ سے ہے۔"

"شکریہ۔"

موبائل آف کر کے انہوں نے فوراً اکرام کے نمبر ملائے اور سلسلہ ملتے ہی بولے:

"اکرام چار نام نوٹ کرو... فوری طور پر سادہ لباس میں ان چاروں کی کوٹھیوں پر اپنے آدمی تعینات کر کے نگرانی شروع کرا دو۔ رات میں کسی بھی کوٹھی میں کوئی مشکوک طور پر داخل ہوتا نظر آئے تو فوراً مجھے فون کرنا۔"

"بہت بہتر سر... وہ نام کیا ہیں۔"



انہوں نے چاروں نام بتا دیے... نام نوٹ کرتے ہی اکرام نے کہا: "او کے سر۔"

فون بند کر کے انہوں نے ایک طویل سانس لی اور بولے:

"اب ہمیں انتظار کرنا پڑے گا... مجرم کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرے گا... اس کے گرد ہمارا گھیرا تنگ ہو چلا ہے..."

گھر پہنچتے ہی... محمود نے جونہی گھنٹی بجانے کے لیے بٹن دبانا چاہا... فرزانہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا... ساتھ ہی خاموش رہنے کا اشارہ کیا... اس کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی... انسپکٹر جمشید اور فاروق بھی سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے:

"اندر سے خطرے کی بو آرہی ہے۔"

"توبہ ہے... اب تمہارے کان میں آواز کے ساتھ ساتھ بو بھی آنے لگی۔" فاروق نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"دھت تیرے کی... اگر اندر کوئی خطرہ ہے تو ہم باہر کھڑے باتیں کیوں کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا اور زوردار انداز میں گھنٹی بجا دی... فوراً ہی قدموں کی آواز سنائی دی... اور پھر دروازہ کھل گیا... ظاہر ہے، بیگم جمشید نے انہیں میجک آئی سے دیکھ لیا تھا... تاہم ان کی آنکھوں میں خوف کے سائے موجود تھے۔ انہوں نے

آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ سمجھ گئے ہیں ... اندر خطرہ ہے ... لیکن ساتھ ہی وہ اندر داخل ہونے کیلئے قدم اٹھا دیئے ... ادھر بیگم کی آنکھوں میں خوف کی جگہ اب حیرت نے لے لی تھی ... شاید وہ توقع کر رہی تھیں کہ انسپکٹر جمشید خطرے کو بھانپ کر اس طرح بغیر تیاری کے اندر داخل نہیں ہوں گے یا کم از کم تینوں بچوں میں سے ایک آدھ کو باہر رکنے کا اشارہ ضرور کر دیں گے ... انسپکٹر جمشید کا خطرے کو بھانپ کر بھی اس طرح بے خوف و خطر اندر آجانا ... انہیں اس کا جواز کچھ سمجھ میں نہیں آیا... ادھر انسپکٹر جمشید مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں بولے :

'' السلام علیکم بیگم صاحبہ ... کیا حال ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے ... کہیں آج پھر بلڈ پریشر ہائی تو نہیں ہو گیا۔''

یہ کہتے ہوئے انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا ... پھر انہوں نے ایک نظر صحن پر اور چاروں طرف غیر محسوس طور پر ڈالی:

'' آج بہت بھوک لگی ہے ... پہلے ہم کھانا کھائیں گے ... پھر کوئی اور بات کریں گے۔''

'' جی ... جی اچھا ... لل ... لیکن۔''

'' جی کیا بات ہو گئی بیگم ... جی اچھا... اور اس کے بعد لیکن ؟''

'' وہ ... مم... میں ... اب آپ کو کیا بتاؤں۔''



'' چلو خیر ... رہنے دو ... کچھ نہ بتاؤ... اگر کچھ بتانے میں حرج ہے تو نہ بتاؤ... لیکن کھانا ؟''

'' یہی تو مشکل ہے ... میں کھانا نہیں بنا سکی۔''

'' تو کیا ہوا ... ہم ہوٹل سے منگا لیتے ہیں ... بلکہ خان بابا ہوٹل سے منگوا لیتے ہیں ، کیا خیال ہے۔''

'' نن نہیں۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

وہ سمجھ گئے تھے کہ معاملہ کیا ہے ... فرزانہ کو خطرے کا احساس ہونے سے پہلے باہر ہی سے انہوں نے اپنے گھر کی چھت پر پوزیشن لئے ہوئے دو آدمیوں کی جھلک دیکھ لی تھی ... وہ اسی وقت جان گئے تھے کہ بیگم جمشید مکمل طور پر دشمن کی زد میں ہیں۔ لیکن وہ اس طرح بے دھڑک اندر کیوں چلے آئے تھے ... اس کا جواب خود ان کے پاس بھی نہیں تھا ... شاید یہ اب تک کی ناکامی کی جھلاہٹ تھی یا یہ امید کہ کہیں تو مجرموں کا براہ راست سامنا ہو ... جو بھی تھا لیکن بظاہر تھی یہ ایک اندھی چال جسے عام حالات میں کسی طرح بھی عقلمندی یا ہوش مندی نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن بہرحال وہ انسپکٹر جمشید تھے ... حالات سے نمٹنا خوب جانتے تھے ... یہ بھی ممکن تھا کہ حالات کی سنگینی کے پیش نظر اس قسم کے خطرات سے نمٹنے کی تیاری انہوں نے پہلے سے کر رکھی ہو ... یہ اور

بات ہے کہ یہ تیاری کیا ہو سکتی تھی ... اس سے نہ تینوں بچے واقف تھے نہ بیگم جمشید ...

ویسے بظاہر صورتحال کافی سنگین تھی ... اگرچہ انہوں نے بغور ادھر ادھر نہیں دیکھا تھا:

"کیا چاہتے ہیں ہو دوستو!" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

"خاتمہ۔"

"اپنا یا ہمارا۔"

"ظاہر ہے ... اپنا خاتمہ کون چاہتا ہے۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ... چلو پھر ... شروع کرو ... ابھی معلوم ہو جاتا ہے ... کون کتنے پانی میں ہے ... کس کے خاتمے کا وقت قریب... لیکن بہتر یہ تھا کہ تم اپنے خاتمے سے پہلے یہ بتا دیتے... خود کو کس خوشی میں ختم کرانا چاہتے ہو۔"

"یہ جو تمہاری ٹانگیں ہیں نا ... بس ان کی وجہ سے۔"

"کیا کہا ... ہماری ٹانگیں ... ہم سمجھے نہیں۔"

"یہ ہر معاملے میں اڑ جاتی ہیں۔"

"تو کیا اس وقت تم لوگ سیاہ پوش کی طرف سے آئے ہو۔"

"بہت جلد جان لیا ... پانچویں پاس سے تو خیر تیز ہی ہو۔"



لہجے میں طنز تھا۔

"بس کیا کریں ... مجبوری ہے۔"

"ہم تمہاری جان ایک شرط پر چھوڑ سکتے ہیں۔"

"یعنی تم ایک شرط پر اپنی جانیں بچا سکتے ہو۔" وہ مسکرائے۔

"کیا کہہ رہے ہو انسپکٹر ... پاگل ہوئے ہو ... موت تمہارے سر پر ناچ رہی ہے!"

"وہم ہے تمہارا ... میں کہہ چکا ہوں ... ابھی سب معلوم ہو جاتا ہے ... لیکن میں تم لوگوں کو ایک موقع دینا چاہتا ہوں ... اپنی جانیں بچانا چاہتے ہو تو بتا دو... ورنہ تم اس وقت پوری طرح ہماری زد پر ہو اور یہ بات میں ابھی ثابت کر سکتا ہوں، لیکن پہلے تم بتا دو ... موقع چاہتے ہو یا نہیں۔"

ان کے الفاظ سن کر دوسری طرف سناٹا چھا گیا ... کیونکہ انسپکٹر جمشید کے لہجے میں اس قدر اعتماد تھا کہ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ جو کہہ رہے ہیں، سچ ہے ... یوں بھی ان کے بارے میں مشہور تھا کہ حالات کچھ بھی ہوں ... وہ جھوٹ نہیں بولتے ... پھر ان میں سے ایک کی آواز ابھری:

"تمہارا دماغ الٹ گیا ہے ... الٹا تم ہمارے نشانے پر ہو۔"

"ہم لوگ تمہارے نشانے پر ہیں... یہ بات تو سامنے کی ہے ،
لیکن تم ہمارے نشانے پر کس طرح ہو ... یہ بات وضاحت طلب ہے ...
میں وضاحت کیے دیتا ہوں... فیصلہ کرنا تمہارا کام ہوگا ۔"

"چلو ٹھیک ہے... کرو پھر وضاحت ۔" وہ ہنسا۔

"اوکے ... یہ دیکھو... یہ میری کلائی پر گھڑی موجود ہے ... میں
اس کا ایک بٹن دبا رہا ہوں... اس بٹن دبانے سے اس میں سے ایک
آواز سنائی دے گی ... وہ آواز میرے ماتحت سب انسپکٹر اکرام کی
ہوگی... وہ تم لوگوں کو اپنی پوزیشن بتائے گا اور یہ بات ثابت کرے گا
کہ تم لوگ اس کی زد پر ہو یا نہیں ... مطلب یہ کہ کسی صورت یہاں
سے بچ کر تو جا نہیں سکو گے ... رہ گئی یہ بات کہ تم ہمیں بھی تو نشانہ
بناؤ گے ... اور اگر تم مارے جاؤ گے تو ہم بھی مارے جائیں گے... تو
یہ بات بھی نہیں ہوگی ... میں ابھی اپنی بات ثابت کیے دیتا ہوں...
پہلے تو میں یہ بتا دوں کہ جونہی ہم دروازے پر پہنچے ... ہمیں خطرے کا
احساس ہو گیا تھا... کیسے ... بس یہ نہ پوچھنا... پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ
میں نے اپنے ماتحتوں کو خبردار نہ کر دیا ہو ... خبردار کرنے کے لیے اس
گھڑی کا صرف ایک ننھا سا بٹن دبانا پڑتا ہے... بس یوں سمجھ لو کہ اس
بٹن کے دبتے ہی ماتحتوں کی جیبوں میں یا کلائیوں پر آلارم بج اٹھتے



ہیں... اور میرے الفاظ انہیں صاف سنائی دینے لگتے ہیں۔ اب جو بات
چیت اندر داخل ہوتے وقت ہم نے کی ... وہ ان سب نے سن لی تو کیا
اس صورت میں وہ یہاں فوراً نہیں پہنچ گئے ہوں گے۔"

"فوراً کیسے ... کیا درمیانی فاصلہ نہیں ہے ۔"

"اتنا بھی نہیں ہے... لو میں اپنی بات ثابت کیے دیتا ہوں۔" یہ
کہہ کر انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی ... ان کے حساب سے اکرام اس
وقت تک بیگم شیرازی کی چھت پر پہنچ چکا تھا... چنانچہ انہوں نے کہا:

"اکرام ! ان میں سے صرف ایک کے کان کی لو اڑا دو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا اور ایک چیخ گونج گئی ...
ساتھ ہی کسی نے کہا:

"استاد! میرے کان کی لو اڑ گئی ہے ... ہم ان کی زد پر ہیں ۔"

"نن نہیں ۔" اس کی کانپتی آواز سنائی دی ۔

"اب کیا خیال ہے دوستو! کیا میرا دماغ الٹ گیا تھا ... یا سچ
بول رہا تھا ۔"

"نن نہیں ۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"دماغ تو اب ان کے الٹیں گے ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب کیا پروگرام ہے دوستو ... ہم پر فائر ضرور کرو... لیکن بچو

گے تم بھی نہیں ۔''

'' ٹھیک ہے ... ہم ہتھیار گرا رہے ہیں ... '' ست آواز میں کہا گیا اور ان کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں ...

جلد ہی انہیں گرفتار کر لیا گیا ... اب سب لوگ صحن میں جمع تھے، بیگم جمشید نے انہیں بتایا کہ کچھ ہی دیر پہلے یہ لوگ چھت کے راستے اندر داخل ہوئے تھے اور اس کا مطلب ہے انہوں نے پہلے بیگم شیرازی کو قابو میں کیا تھا۔

'' یہی بات ہے ... وہ ہمیں بندھی ملی تھیں ... ہم انہیں کھول چکے ہیں اور وہ اپنے گھر میں آرام کر رہی ہیں ۔''

'' اوہ اچھا ... انہیں یہ تکلیف ہماری وجہ سے پہنچی ہے ... ان کے پاس چلیں گے ... ان سے معافی مانگیں گے ... لیکن پہلے ان کے مہربانوں سے بات ہو جائے ۔''

'' بالکل ٹھیک ۔''

'' ہاں دوستو! اب تم کہو ... کیا کہتے ہو ۔''

'' ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ... ہم لاوارث نہیں ہیں ... جو ہمارے وارث ہیں، وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھے ... جلد ہی ہماری مدد کو آئیں گے ... لہٰذا تم کو جو کچھ بھی کرنا ہے، سوچ سمجھ کر کرنا ...



ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں ۔'' استاد نے نفرت زدہ لہجے میں کہا۔

'' اوہو ! یہ انداز گفتگو ... '' انسپکٹر جمشید نے کہا ... بلکہ وہ بری طرح چونکے بھی تھے ۔

'' کیا چیز ہو میاں ۔'' انہوں نے مذاق اڑانے والے انداز میں پوچھا ۔

'' ہم پر ہاتھ ڈالا ہے ... پتا لگ جائے گا کہ ہم کیا چیز ہیں ۔''

'' یار ... ڈراؤ تو نہ ... ہمارا قصور بتاؤ ... ہمارے گھر میں تم خود داخل ہوئے ہو یا ہم پکڑ کر لائے ہیں ... لہٰذا ہم کیوں ڈالتے تمہیں ... تم نے ہم پر ہاتھ ڈالا ہے ... لہٰذا جو سلوک کرنا ہے ، اپنے ساتھ کرو اور ہمیں اپنے نام پتے بتاؤ ۔''

'' ہمارے نام پتے بتانے والے آنے ہی والے ہیں ۔''

'' کیا واقعی ۔'' وہ چونکے ۔

'' معلوم ہو جائے گا ۔'' اس نے سر کو جھٹکا دیا ۔

'' اکرام ! یہ اس طرح زبان نہیں کھولیں گے ... انہیں کمرہ امتحان میں لے جانا ہی ہوگا ۔''

'' بہت بہتر سر ۔''

اکرام نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا ... ہتھکڑیاں تو ان کے

... پہنائی جا چکی تھیں ... وہ انہیں گھر سے باہر لے
... ابھی دروازے تک پہنچے تھے کہ ایک بڑی گاڑی وہاں آ کر
...ں ... اس سے کالے کوٹوں والے چار آدمی اترے ... ان پر نظر پڑتے
ہی ان میں سے ایک نے کہا:

"کہاں لے جا رہے ہیں انہیں... یہ لاوارث نہیں ہیں ... اور
ہمارے پاس ان کی ضمانت قبل از گرفتاری کے کاغذات ہیں... یہ دیکھئے۔"
وکیل کا لہجہ نہایت بھدا تھا... انہیں بہت غصہ آیا ... انسپکٹر جمشید
نے آگے بڑھ کر ضمانت کے کاغذات پڑھے... انہوں نے ضمانت لینے
والے مجسٹریٹ اور جس نے ان کی ضمانت لی تھی ... اس کا نام نوٹ کر
لیا اور اکرام سے بولے:

"اکرام! انہیں چھوڑ دو۔"

"ہاہاہا۔" استاد اور اس کے ساتھی ڈھٹائی سے ہنسنے لگے۔

"تم لوگوں کا یہ ہنسنا ہم پر ادھار رہا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نقد کام کیوں نہیں کر لیتے۔" استاد ہنسا۔

"ہم لوگ قانون کا احترام کرنے والے لوگ ہیں ... لیکن تم
لوگوں سے ہماری ملاقات ضرور ہو گی، اکرام ... ضمانت کے کاغذات
سے ان کے نام پتے لکھ لو، اگرچہ اب یہ ان پتوں پر کہاں ملیں گے۔"



"عقل مند ہو انسپکٹر۔"

"لیکن تم لوگوں کی صرف ضمانت لی گئی ہے ... عدالت نے
تمہیں رہا نہیں کر دیا ہے... لہٰذا عدالت میں بات ہو گی۔"

"اُس دن کا انتظار کرتے رہو انسپکٹر۔"

اس وقت تک اکرام ان کے نام پتے لکھ چکا تھا... پھر جونہی
وکیل اپنی گاڑیوں میں روانہ ہوئے ... انسپکٹر جمشید نے کاغذ پر ایک نام
لکھ کر اکرام کو دیا:

"اکرام ... فوری طور پر اس نام کے شخص کی نگرانی شروع کر
دو... اور ان دو وکیلوں کی بھی۔ ان کے نام ضمانت کے کاغذات سے تم
نے نوٹ کر ہی لیے ہوں گے۔"

"جی ہاں سر ... آپ فکر نہ کریں... آپ حکم کریں تو ان آٹھ
غنڈوں کی نگرانی بھی شروع کر دی جائے ... کیونکہ ابھی تو یہ گھر ہی
جائیں گے ... وہاں سے اپنا سامان سمیٹ کر ہی غائب ہوں گے ...
لہٰذا جہاں بھی یہ جائیں گے ... نگرانی کی جا سکے گی۔"

"ٹھیک ہے ... ان آٹھ کی نگرانی بھی ہو جائے۔" انہوں نے
خوش ہو کر کہا۔

اکرام اور اس کے ماتحتوں کے جانے کے بعد وہ بیگم شیرازی کے

گھر گئے... ان کا حال پوچھا:

''ہمیں افسوس ہے ... آپ کو ہماری وجہ سے پریشانی ہوئی۔''

''کوئی بات نہیں ... آپ لوگ بھی تو ملک اور قوم کے لیے دن رات ایک کرتے ہیں تکالیف اٹھاتے ہیں... دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھتے ... آرام کیے بغیر مسلسل کام میں جتے رہتے ہیں۔'' بیگم شیرازی نے مسکرا کر کہا۔

''اچھی بات ہے ... ہم چلتے ہیں... جن لوگوں نے آپ کا یہ حال کیا... ذرا ان کی خبر لینے کا پروگرام ہے...''

''اچھی بات ہے۔''

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیگم سے کہہ دیجیے گا۔''

''ہوں... ٹھیک ہے۔''

وہ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ فرزانہ کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا:

''اوہ۔''

☆☆☆☆☆



# پسینہ آئے گا

فرزانہ کی آواز سن کر وہ چونک کر مڑے ... انہوں نے دیکھا، فرزانہ کی نظریں ایک ٹائی پن پر جمی تھیں... اور اس کی حیرت بجا تھی کہ بیگم شیرازی کے گھر میں ٹائی پن کا بھلا کیا کام۔

''یہ یہاں ایک عدد ٹائی پن پڑی ہے۔'' انہوں نے بیگم شیرازی کی طرف دیکھا۔

انہوں نے بھی پن کی طرف دیکھا، پھر بولیں:

''یہ ضرور ان لوگوں میں سے ہی کسی کی ہے ... جو مجھے باندھ کر اوپر گئے تھے۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے پن اٹھا لی... اور لگے اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے ... اچانک ان کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی:

''کیا اس میں کوئی خاص بات ہے۔''

"کم از کم یہ کوئی عام ٹائی پن نہیں ہے ... اس کے اوپر لگا ہوا نگ عام نگ نہیں ہے، بلکہ یہ ہیرا ہے ... اور کیا یہ بات عجیب نہیں کہ اس قسم کے کسی آدمی کی ٹائی پن میں ہیرا لگا ہوا ہو..."

یہ بات عجیب ضرور ہے ... لیکن ابا جان ناممکن نہیں ... بعض لوگوں کے شوق عجیب و غریب ہوتے ہیں... پھر ان کے کام ایسے ہیں... جن لوگوں کے لیے یہ کام کر رہے ہیں، وہ انہیں بھی لمبی چوڑی تنخواہ دیتے ہیں ... اس لیے تو وہ بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے تھے اور ہمارا مذاق اڑا رہے تھے ... لگتا ہے، ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"ویسے آج کل ٹائی پہننے اور ٹائی پن لگانے کا رواج بہت کم ہو چکا ہے ... لوگ زیادہ تر جینز اور ٹی شرٹ میں ہی نظر آتے ہیں۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں ... خیر ہم اس ٹائی پن کو محفوظ کر لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اسے ایک کاغذ میں لپیٹا اور جیب میں رکھ لیا:

"میرے خیال میں اسے پروفیسر انکل سے چیک نہ کرا لیں۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"بہت خوب محمود۔"

وہ اسی وقت پروفیسر داؤد کے ہاں پہنچے... وہ انہیں دیکھ کر چونک



اٹھے اور بولے:

"خیر تو ہے ... کیا کوئی اور بات پیش آگئی ہے۔"

"جی ہاں! اب ایک ٹائی پن ہمیں پیش آگئی ہے۔"

"ٹائی پن... کیا مطلب؟" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ٹائی پن کا مطلب تو پھر انکل ٹائی پن ہی ہوتا ہے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"توبہ ہے فاروق۔" محمود نے اسے گھورا۔

"پروفیسر صاحب... اس سے پہلے کہ ہم ان کی باتوں کی زد میں آئیں اور باتوں کا دھارا ہمیں اپنے ساتھ بہا لے جائے ... آپ اس ٹائی پن کو دیکھ لیں۔"

انہوں نے ٹائی پن کو دیکھا تو چہرے پر حیرت کے آثار ابھر آئے... پھر اس ننھے نگ کو دیکھ کر ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے:

"یہ کہاں سے ملی۔"

"ہمارے گھر پر کچھ لوگ حملہ آور ہوئے تھے ... یہ غالباً ان میں سے کسی ایک کی ہے۔"

"ارے باپ رے۔" فرزانہ کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

'' تمہیں کیا ہوا۔''

'' ایک اچھل پڑنے کا لائق بات یاد آئی ہے ... لیکن پہلے اس ٹائی پن کو چیک کروا لیں۔''

'' اچھی بات ہے ... ہاں تو پروفیسر صاحب... اس ٹائی پن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔'' وہ بولے۔

'' مجھے چیک کرنے دو جمشید۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے ... اور اپنی تجربہ گاہ میں چلے گئے :

'' اب بتاؤ فرزانہ، تم نے کس بات پر ارے باپ رے کہا تھا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

'' محمود اور فاروق سے پوچھیں۔'' وہ مسکرائی۔

'' کیا مطلب... کسی بات پر چونکی تم ہو اور بتائیں ہم کہ کیوں چونکی تھیں۔'' فاروق جھلا اٹھا۔

'' ہاں بالکل ... تم دونوں ہی بتاؤ گے۔''

'' سنا آپ نے ابا جان ... اس سے بڑھ کر بھی کوئی بے تکی بات ہو سکتی ہے۔''

'' پپ پتا نہیں۔'' ان کے منہ سے بے خیالی میں نکلا۔

'' جی کیا فرمایا، پتا نہیں، کیا پتا نہیں۔'' محمود حیران ہو کر بولا۔



'' یہ کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے تکی بات ہو سکتی ہے یا نہیں ... لہٰذا تم دونوں بتاؤ فرزانہ نے کس بات پر کہا تھا، ارے باپ رے۔''

'' اُف مالک! اب آپ بھی کہہ رہے ہیں۔''

'' کیا کیا جائے ... مجبوری ہے۔''

'' افسوس!'' فرزانہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

'' کس بات پر افسوس ہے ... یہ آج تم باتوں کے ٹکڑے سے کیوں کر رہی ہو۔''

'' میں نے اسے لئے افسوس کہا تھا کہ تم میں سے کسی نے دھیان نہیں دیا ... توجہ نہیں دی ... کہ ان آدمیوں میں سے کسی کے بدن پر پینٹ شرٹ نہیں تھی... سارے ہی شلوار قمیض پہنے تھے ... اور جب پینٹ شرٹ نہیں تھی تو پھر ٹائی پن کا ان کے لباس پر کیا کام۔''

'' کیا!!!'' مارے حیرت کے ان سب کے منہ سے نکلا ... پھر انسپکٹر جمشید نے تعریف کے انداز میں کہا:

'' واقعی فرزانہ ... اور اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ ٹائی پن کسی اور کی ہے ... جو ان کے ساتھ تھا ... یعنی وہ نواں آدمی تھا ... اور بیگم شیرازی کے گھر میں تھا ... جب اس نے دیکھا کہ اس کے ساتھی پھنس گئے ہیں تو وہ انہیں چھوڑ کر نکل گیا ... لیکن گھبراہٹ میں شاید

اس کی یہ پن اس سے گر گئی ... ہمیں فوری طور پر اس ٹائی والے شخص کا سراغ لگانا ہوگا۔"

"لیکن کیسے۔"

ایسے میں پروفیسر داؤد کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی:

"کک... کیا ہوا انکل۔"

"عام سی ٹائی پن ہے ... اور کچھ بھی نہیں۔"

"کیا کہا... تو پھر آپ کے چہرے پر حیرت کیوں تھی۔"

"اس لئے کہ اب تک اس معاملے میں عام سا کچھ نہیں ہوا ... جو کچھ بھی ملا ... حیرت انگیز ہی ملا۔"

"ایک منٹ ... میں ذرا اکرام سے کہہ دوں کہ بیگم شیرازی اور ہمارے گھر سے فارنسک ثبوت اکٹھے کروائے ... یعنی فنگر پرنٹس اور ڈی این اے تجزیے کا انتظام کیلئے فورنسک ٹیم کو روانہ کرے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اکرام کا نمبر ڈائل کرنے کیلئے فون اٹھایا ہی تھا کہ اس کی گھنٹی بج اٹھی، انہوں نے اسکرین پر دیکھا ... فون اکرام کا ہی تھا:

"ہاں اکرام ... کیا رپورٹ ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"چوٹ ہوگئی سر!"



"کیا مطلب؟" وہ بری طرح چونکے۔

"ضمانت کے کاغذات جعلی تھے ... اور وہ وکیل بھی ..."

"کیا!!!" ان کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

O

سب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا ... انسپکٹر جمشید اس وقت تک اپنی حیرت پر قابو پا چکے تھے ... اور مسکرا رہے تھے۔

"جی ہاں سر ... نہ کسی نے ان کی ضمانت لی اور نہ ہی کسی مجسٹریٹ نے اسے منظور کیا ... بہت بری چوٹ ہوئی ہے سر ... میرا تو خون کھول رہا ہے۔"

"بری بات ہے اکرام ... ٹھنڈے دماغ سے کام لو ... غصہ انسان کو ناکارہ بنا دیتا ہے ... ہم لوگوں کے مزاج کو تو برف ہونا چاہیے۔"

"آج تک جو بھی سیکھا ہے سر ... آپ سے ہی سیکھا ہے ... اس بات کو بھی پلے سے باندھ لوں گا۔"

"ہوں ... شاباش ... اور ان کا کیا ہوا ..."

"کن کا سر ... میں کچھ سمجھا نہیں ..."

"ارے بھئی وہ آٹھوں؟"

"اوہ ... اب وہ بندرگاہ کے نزدیک ایک بدنام ہوٹل میں موجود ہیں اور میں اور میرے آدمی اس ہوٹل کے آس پاس موجود رہ کر نگرانی کر رہے ہیں۔"

"بہت خوب اکرام ... یہ ہوئی نا بات۔"

اسی وقت اکرام کی آواز سنائی دی۔

"وہ لوگ ہوٹل سے نکل آئے ہیں ... باہر نکل کر مین روڈ پر آگئے ہیں۔"

"تعاقب جاری رکھو اکرام... اُن کے آگے بھی اپنے آدمی لگا دو... تاکہ وہ غائب نہ ہو سکیں۔"

"یہ کام میں پہلے ہی کر چکا ہوں سر۔"

"خوب!"

اور پھر پندرہ منٹ بعد اکرام کی طرف سے انہیں پیغام ملا:

"وہ نواب ہاؤس میں پہنچ گئے ہیں۔"

"نواب ہاؤس! تمہارا مطلب ہے نواب فخری ہاؤس؟"

"نواب فخری ... بہت بااثر آدمی ہیں سر... اب ہم سب کو پسینہ آئے گا۔" اکرام نے ہنس کر کہا۔

"کیا کہا اکرام ... پسینہ آئے گا ... وہ تو ہمیں ویسے بھی آتا



ہے... کیونکہ اللہ کی مہربانی سے ہم لوگ صحت مند ہیں... اور صحت مند انسانوں کو پسینہ آیا ہی کرتا ہے۔"

"میرا مطلب دوسرے پسینے سے تھا سر... مثلاً سرد پسینہ ... دانتوں پسینہ ... اور پسینہ پسینہ ہوتا ہے... پسینے تو نہ جانے کتنی قسم کے ہوتے ہیں ... سر۔" اکرام ہنسا۔

"کیا تم میں محمود، فاروق، فرزانہ کی روحیں داخل ہوگئی ہیں۔"

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے سر۔"

"اچھا تو تم کیا بتا رہے تھے... نواب ہاؤس ... نواب فخری۔"

"جی ہاں! ان سب نے نواب ہاؤس کے ہاں پناہ لی ہے ... اور اب ان تک پہنچنا آسان کام نہیں۔"

"ہوں ... میں جانتا ہوں ... اس کی سیاسی پارٹی ہر حکومت میں شامل ہو جاتی ہے ... یہ سابق صدر کے بھی بے حد قریبی ساتھیوں میں سے ایک تھے اور اب اس حکومت میں بھی کچھ عرصہ قبل شامل ہوئے ہیں... ان کے کاروبار کئی شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں ... موجودہ حکومت میں بھی ان کا آج کل کافی اثر و رسوخ ہے۔"

"نواب فخری کل ہی غیر ملکی دورے سے واپس آئے ہیں ... اور ری اطلاع یہ ہے کہ وہ آج نواب ہاؤس میں ہی موجود ہیں اور آرام

کر رہے ہیں۔''

''بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا ... نواب ہاؤس سے کسی کو ڈھونڈنا اور پکڑنا کوئی معمولی بات نہیں ... اس کا درمیانی حصہ یعنی اصل رہائشی عمارت دو سو سال قبل رنجیت سنگھ کے ایک فوجی جنرل نے بنوائی تھی ... اس کے لاتعداد خفیہ تہہ خانوں میں وہ لوگ اپنے دشمنوں کو قید رکھا کرتے تھے ... اور اس طرح کا میکانکی نظام تھا کہ اگر کوئی بغیر اجازت ان حصوں میں داخل ہونے کی کوشش بھی کرتا تھا تو پورا تہہ خانہ ملبے کا ڈھیر بن جایا کرتا تھا ... پھر نہ قیدی بچتا تھا اور نہ ہی اس کو چھڑانے والے۔''

''اوہ ... تو کیا آپ کے خیال میں ان آٹھوں کو وہاں سے برآمد کروانا تقریباً ناممکن ہے!''

''ناممکن تو نہیں ... البتہ اس میں وقت بہت صرف ہوگا ... جس کی ہمارے پاس کمی ہے ... اگر ہم اسی چکر میں الجھے رہے تو اصل معاملے کی جڑ تک نہیں پہنچ پائیں گے ... ویسے بھی یہ تو معمولی کارکن تھے ... اصل اہمیت تو ان کے ساتھ موجود ان کے نگران کی تھی ... یعنی نویں آدمی کی۔''

''نویں آدمی کی ... یہ نواں کہاں سے نکل آیا ...''



''ان کے گروہ کا نواں آدمی بھی بیگم شیرازی کے ہاں چھپا ہوا تھا... جب اس نے دیکھا کہ اس کے آدمی گھر گئے ہیں تو وہ ان سے پہلے ہی نکل گیا ... تم اور تمہارے آدمی اسے نہیں دیکھ سکے... غالباً تمہارے آنے سے ایک آدھ منٹ پہلے وہ نکل گیا ہوگا ... لیکن جاتے ہوئے جلدی میں اپنی ٹائی پن گرا گیا۔''

''اوہ... تب پھر اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔''

''پروگرام یہ ہے کہ نواب فخری کے ہاں سے ان کو برآمد کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''لیکن آپ نے ابھی کہا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔''

''میں نے کہا تھا کہ اس میں وقت بہت صرف ہوگا ... بہرحال ان کو پکڑنا بھی ضروری ہے ... وہ مفرور ملزم ہیں ...جعلی ضمانت کروا کر بھاگے ہیں ...۔''

''نواب فخری ہمیں خاطر میں نہیں لائے گا۔''

''پولیس اہلکار بھی معمولی نہیں ہوتا ... کیا تم نہیں جانتے کہ پولیس قوانین کے مطابق ایک عام پولیس کانسٹیبل اور آئی جی پولیس کے اختیارات میں معمولی سا انتظامی نوعیت کا فرق ہوتا ہے۔''

''لیکن سر ... جو بھی ہو، آپ تو اس کے اثر و رسوخ سے واقف

ہی ہیں ... ہمیں تو وہ چٹکیوں میں اڑا دے گا۔"

"اپنے آپ کو کبھی کمتر نہ سمجھا کرو اکرام ... ہمت سے کام لو ... ہمارا کام کوشش کرنا ہے ... کم از کم وہ تو کر ہی ڈالیں ..."

"ویری ویل سر ..."

"اور چوکس رہنا۔"

"آپ فکر نہ کریں... ہم فخری ہاؤس کے آس پاس رہیں گے اور آپ جو حکم دیں گے ... اسے بجا لائیں گے۔"

"بس ٹھیک ہے۔"

فون بند کر کے وہ پروفیسر صاحب کے گھر سے روانہ ہوئے ... ان کی گاڑی نواب فخری ہاؤس کے سامنے رکی ... وہ عمارت قلعہ نما تھی... باقاعدہ فصیل ان کے سامنے تھی ... فخری ہاؤس کا گیٹ بھی کسی قلعے کا گیٹ نظر آ رہا تھا ... قلعے کے دروازے پر زبردست پہرہ نظر آیا... جدید ترین اسلحے سے لیس سیکورٹی گارڈ چوکس کھڑے تھے ... اس طرح جیسے ان پر حملہ ہوا ہی چاہتا ہو ... گیٹ کے دائیں طرف ایک بڑا سا کیبن بنا ہوا تھا۔ اس پر استقبالیہ لکھا تھا ... قلعے کی فصیل بہت اونچی تھی اور دونوں طرف گولائی میں آگے چلی گئی تھی... گویا فصیل گولائی میں تھی اور اگر کوئی فصیل کے گرد چکر لگاتا تو واپس گیٹ پر آ جاتا:



"اُف مالک! یہ تو پورا قلعہ ہے ... آخر یہ نواب فخری کیا چیز ہے۔" فاروق نے حیرت کے عالم میں کہا۔

"ہم مشکل میں پھنسنے والے ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اللہ مالک ہے ..." انسپکٹر جمشید نے کہا اور گاڑی سے اتر آئے... اب ان کا رخ استقبالیہ کی طرف تھا... وہاں پہلے ہی ایک لمبی لائن لگی تھی ... گویا ملاقاتیوں کا بہت رش تھا... اس بات نے انہیں اور فکر مند کر دیا۔

وہ لائن کی پروا کیے بغیر استقبالیہ کمرے میں داخل ہوئے... جب کہ لائن کمرے سے باہر لگی ہوئی تھی:

"اے جناب! باہر ... باہر لائن میں لگیں۔" کمرے کے دروازے پر موجود ایک مسلح آدمی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہمارا تعلق پولیس سے ہے ... مطلب یہ کہ ہم عام لوگ نہیں ہیں کہ لائن میں لگیں... یوں بھی ہمیں سرکاری کام ہے ... کوئی ذاتی کام نہیں ہے۔"

"کیا کہا ... پولیس ..." نفرت زدہ انداز میں کہا گیا۔

"ہاں پولیس ..."

"یہاں پولیس کو کون پوچھتا ہے ... یہاں تو ملک کے صدر بھی

آنے سے پہلے اجازت لیتے ہیں ... لہٰذا آپ جا کر لائن میں لگیں ۔''

'' سوری ! ہم سرکاری اہلکار ہیں... لائن میں نہیں لگیں گے ۔'' یہ کہہ کر وہ لگے اندر داخل ہونے ... لیکن مسلح آدمی اڑ گیا ... اس نے پستول ان کی طرف تان دیا ۔ اور غرایا کر بولا ۔

'' خبردار!''

'' اچھی طرح خبردار ہیں... '' جواب میں انسپکٹر جمشید نے بھی پستول نکال لیا ۔

'' اوہ ! یہ آپ نے کیا کیا... اب مشکل ہو جائے گی ۔''

'' تم اپنی مشکل کی سوچو۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

'' اچھی بات ہے ... اب اندر تو آپ کو لانا ہی پڑے گا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ دروازے سے ہٹ گیا ...چاروں اندر داخل ہو گئے ... گن مین نے اپنے پستول کا رخ بدستور ان کی طرف رکھا تھا ... ادھر انہوں نے پستول جیب میں ڈال لیا تھا... کیونکہ ان کا مقصد تو اندر آنا تھا ۔

'' اندر آ تو گئے ہیں، اب واپس نہیں جا سکیں گے ۔''

'' پہلے نواب فخری سے کہو ... انسپکٹر جمشید ان سے ملنا چاہتے ہیں ۔'' انسپکٹر جمشید سرد لہجے میں بولے ۔



'' وہ تو اب کہنا ہوگا... کیونکہ تمہاری موت کے پروانے پر ان کی اجازت کی مہر جو لگانی ہے ۔''

'' معلوم ہوا ...نواب فخری لوگوں کی موت کا حکم دیتے رہتے ہیں ۔''

'' ابھی تو تمہیں بہت کچھ معلوم ہوگا ... نمبر ملاؤ نواب صاحب کا ۔'' پہلا جملہ گن مین نے غرا کر انسپکٹر جمشید سے کہا اور دوسرا جملہ اپنے ایک ساتھی سے ۔ اس گفتگو کے دوران انہیں چاروں طرف سے مسلح افراد نے گھیرے میں لے لیا تھا ... انہوں نے سیاہ رنگ کے گھیردار شلوار قمیض پہن رکھے تھے ... اور چہروں پر وحشت کا راج تھا ... پتا نہیں کیوں ان کی شکلیں دیکھ کر خونخوار بھیڑیوں کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا ۔

ان میں ایک نے موبائل پر نمبر ملایا اور سلسلہ ملتے ہی بولا :

'' نواب صاحب... ''

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ آواز آئی :

'' میں نے سن لیا ہے ... اس شخص کو گیٹ سے باہر کا راستہ دکھا دو ... اور بس ... اس سے زیادہ کچھ نہ کرنا کیونکہ یہ عوامی آدمی ہے ... شہر اٹھ کھڑا ہوگا ۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ

گئی... ساتھ ہی بولے:

"مسٹر فخری ... تمہیں مجھ سے ملاقات کرنی ہو گی ... ہم لوگ ایسے نہیں جائیں گے۔"

"دیکھو میرے غصے کو آواز نہ دو ... ابھی تک میں نے تمہارے بارے میں بہت نرم رویہ اختیار کیا ہے ... مجھے سختی پر مجبور نہ کرو۔"

"بات نرم اور سخت رویے کی نہیں ... ڈیوٹی کی ہے ... آٹھ مجرموں نے فرار ہو کر یہاں پناہ لی ہے ... لہٰذا آپ ان آٹھوں کو ہمارے حوالے کر دیں... ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"میرے قلعے میں کسی مجرم نے پناہ نہیں لی ہے۔"

"بہتر ہوگا کہ ان آٹھوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔"

"حد ہوگئی ... میں نے کہا نہیں کہ میں نے یہاں کسی مجرم کو پناہ نہیں دی۔"

"تب پھر ہم یہاں کی تلاشی لیں گے۔"

"کیا کہا ... تلاشی ... اور تم لوگ ... صدر بھی نہیں لے سکتا... ہاں صدر بھی ... کوشش کرو۔"

"کوشش تو پہلے ہی شروع کر چکے ہیں... اگر آپ نے تلاشی نہیں دی تو ہم زبردستی لیں گے۔"



"کیا!!!" نواب فخری کی دہاڑ سے ان کے کان جھنجھنا اٹھے ... لیکن پھر اس نے جو کچھ کہا ... وہ بھی ان کے کانوں کیلئے حیران کن تھا... اس نے کہا تھا:

"ٹھیک ہے انسپکٹر ... تم تلاشی لے لو ... لیکن نتیجے کے ذمے دار تم خود ہوگے۔"

ایک لمحے کیلئے انسپکٹر جمشید کے چہرے پر الجھن کے سائے نمودار ہوئے ... پھر ان کے منہ سے نکلا: "دیکھا جائے گا..."

ساتھ ہی وہ پلٹے اور اپنی کلائی منہ کے قریب لے گئے ... انہوں نے اپنی گھڑی کا ایک بٹن دبا کر کہا:

"تم سن چکے ہو اکرام۔"

"یس سر۔"

"حرکت میں آجاؤ ... اگر ان کے ذاتی گارڈز مداخلت کریں تو اسلحہ چھین کر گرفتار کر لو۔"

"حرکت میں تو ہم پہلے ہی آچکے ہیں سر ... پوری کوٹھی ہمارے گھیرے میں ہے۔"

"ویری گڈ! بہت احتیاط سے کام کرنا۔"

"آپ فکر نہ کریں سر۔"

اسی وقت نواب فخری عمارت کے اندرونی حصے سے نکل کر ان کی طرف آتا نظر آیا... انہوں نے دیکھا... موبائل فون اس کے کان سے لگا ہوا تھا اور وہ وہ کافی جارحانہ موڈ میں کسی سے بات کر رہا تھا... تھا۔ پھر وہ ان کے نزدیک پہنچ گیا:

''انسپکٹر جمشید... حماقت نہ کرو... تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔'' وہ بلند آواز میں بولا۔

''مجھے ہر حال میں ان آٹھ آدمیوں کی ضرورت ہے... ہم تلاشی لیں گے... اگر اندر کوئی ہمارے مطلوبہ آدمی نہ ہوئے تو آپ سے معذرت کر لیں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن اخبارات میں تو خبریں شائع ہو جائیں گی۔'' وہ ہاتھ ہلا کر چلایا۔

''مجبوری ہے... ہم اخبارات والوں کو نہیں روک سکتے۔''

''سوچ لو انسپکٹر... اگر تم ناکام ہوئے تو پھر اس شہر میں آگ لگا دی جائے گی... یہ پورا شہر دھواں اگلنے گا، یہ سوچ لو۔''

''کیا مطلب؟'' انسپکٹر جمشید چونکے۔

''تم کیا سمجھتے ہو... نواب فخری کوئی عام آدمی ہے... اگر شہر میں آگ لگوانا پسند ہے... بے شمار لوگوں کو ہلاک کروانا پسند ہے... تو آؤ



... تلاشی لے لو... لیکن یاد رکھنا اگر تم تلاش نہ کر سکے... جو کہ تم نہیں کر پاؤ گے کیونکہ وہ یہاں ہیں ہی نہیں... تو ہم کہہ دیں گے کہ تم لوگ وزیر اعلیٰ کے اشارے پر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کر رہے تھے... یہ وزیر اعلیٰ کی سازش ہے کہ وہ آنے والے الیکشن میں ہماری مقبولیت کو نقصان پہنچا سکے... پھر یہ سن کر ہمارے کارکن مشتعل ہو جائیں گے اور ہنگامہ آرائی کا بازار گرم کر دیں گے۔''

''یہ لوگ جن کو آپ نے پناہ دی ہے... یہ ایک مسلح اور خطرناک گینگ کے کارندے ہیں... اس حساب سے آپ پر اس گینگ کا چیف ہونے کا شک بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''پتا نہیں انسپکٹر... کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہو... تم یوں نہیں مانو گے... اب پہلے وزیر اعظم صاحب کا فون سن لو۔''

عین اس لمحے انسپکٹر جمشید کے موبائل کی گھنٹی بجی... انہوں نے اسکرین پر نظر ڈالی... فون وزیر اعظم صاحب کا تھا۔ اب ان کو اندازہ ہوا کہ ان کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے نواب فخری وزیر اعظم صاحب سے ان کی شکایت کر رہا تھا۔ اسی وقت اکرام بھی اپنے اسپیشل کمانڈوز کے ساتھ ان کے نزدیک پہنچ گیا:

☆☆☆☆☆

## میں چلا !!!

انہوں نے فوراً بٹن دبا دیا۔

دوسری طرف سے وزیر اعظم صاحب کی آواز ابھری:

'' انسپکٹر جمشید ! بہتر ہوگا کہ تم نواب فخری سے نہ الجھو... جس پوزیشن میں ہو ، واپس چلے آؤ۔''

'' بہت بہتر مسٹر پرائم منسٹر۔'' وہ بولے ... لیکن وہ ان کے الفاظ میں چھپا پیغام سمجھ گئے تھے ... ان کا مطلب تھا:

'' اپنے آدمیوں کے ذریعے کارروائی جاری رکھو ... لیکن خود وہاں سے ہٹ جاؤ۔''

لیکن نواب فخری ظاہر ہے کہ یہ الفاظ نہیں سن سکا تھا اور نہ ہی وزیر اعظم کے لہجے میں پوشیدہ معنی سمجھ پایا تھا اس لئے انسپکٹر جمشید کے منہ سے '' بہت بہتر مسٹر پرائم منسٹر '' سن کر فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا... اس کی مسکراہٹ کے جواب میں خود وہ بھی مسکرائے اور بولے:



'' تلاشی لی جائے گی ، ابھی اور اسی وقت اور ان آٹھوں کو برآمد کیا جائے گا ... تم سن رہے ہو اکرام ۔'' ان کا لہجہ انتہائی سرد ہوگیا۔

'' یس ... یس سر۔'' اکرام مضبوط لہجے میں بولا۔

'' اور سب لوگ اپنے اپنے موبائل فون آف کر دیں ... ان میں سے کوئی موبائل استعمال کرنا چاہے تو وہ زبردستی چھین لیا جائے ... چاہے وہ نواب فخری ہی کیوں نہ ہوں... ''

'' کیا کہا ... '' وہ دھاڑا۔

'' میں نے کہا ہے ... اگر مسٹر فخری صاحب موبائل پر کسی سے بات کرنا چاہیں تو موبائل ان سے چھین لیا جائے اور اگر یہ مزاحمت کریں تو انہیں گولی مار دی جائے ۔''

'' تم پاگل ہوگئے ہو انسپکٹر۔''

'' اور مسٹر فخری ... اب تم میرے ان ساتھیوں کی زد پر ہو ۔ اگر تم نے پستول نکالنے کی کوشش کی ... موبائل آن کرنے کی کوشش کی تو یہ تمہیں گولی مار دیں گے ... یہ تمہارا بالکل لحاظ نہیں کریں گے ... اور تم اکرام ... تم نے تلاشی کا کام شروع کیا یا نہیں۔''

'' ہم حرکت میں ہیں سر ... اس قلعہ نما عمارت کے اندر موجود ہیں ... اپنا کام کر رہے ہیں ۔''

'' بہت خوب! جو کوئی بھی مزاحمت کرے ... اسے گولی مار دینا۔''
انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔

'' انسپکٹر جمشید ... تم وزیرِ اعظم کے براہِ راست حکم کو مذاق بنا رہے ہو ... آج تو تم کر لو گے جو چاہتے ہو ... لیکن کل جب میں وزیرِاعظم صاحب کو یہ سب کچھ بتاؤں گا تو تم نے سوچا تمہارا کیا بنے گا۔''

'' کیوں نہیں سوچا ... بالکل سوچا ہے ... لہٰذا میں آپ سے نہیں الجھ رہا... یہاں سے واپس جا رہا ہوں ... وزیرِ اعظم صاحب نے باقی لوگوں کے بارے میں کوئی ہدایات نہیں دیں... میرا موبائل اب آف ہے ... وہ مزید کوئی ہدایت نہیں دے سکتے... آپ اب انہیں فون نہیں کر سکتے ... کیونکہ ادھر آپ حرکت کریں گے ... ادھر یہ لوگ آپ کو گولی مار دیں گے ... کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ نواب فخری کیا چیز ہیں... یہ بات تو وزیرِ اعظم جانتے ہیں... کیا سمجھے آپ ، اچھا میں چلا... چلتے چلتے آپ کو ایک بات بتا دیتا ہوں... اور وہ یہ کہ جب تک میں یہاں تھا ... یہ لوگ آپ کی جان سے نہیں کھیل سکتے تھے ... جب میں یہاں سے چلا جاؤں گا ... تب آپ خطرے میں ہوں گے ... اب آپ جانیں ، آپ کا کام۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹے اور محمود، فاروق، فرزانہ کے ساتھ بیرونی دروازے سے نکل کر باہر سڑک پر آ کر جیپ میں بیٹھ گئے



... لیکن جیپ اسٹارٹ نہیں کی۔

دو گھنٹے تک مسلسل کوشش کرنے کے بعد اکرام ان کے پاس آیا ، اس کے چہرے پر ناکامی صاف لکھی تھی:

'' سر! وہ آٹھ یہاں نہیں ملے۔'' اس کے لہجے سے حیرت ٹپک رہی تھی۔

'' یہ کیسے ممکن ہے۔'' انسپکٹر جمشید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

'' یہ تو معلوم نہیں سر... لیکن میرے آدمیوں کی رپورٹ غلط نہیں ہو سکتی ... انہیں اس عمارت میں داخل ہوتے دیکھا گیا اور نکلتے نہیں دیکھا گیا ... جب کہ نکلنے کے تمام راستے پہلے ہی میرے ماتحتوں کی نظروں میں ہیں اور اس عمارت کے نیچے ہم کسی تہہ خانے کا راستہ بھی تلاش نہیں کر پائے۔''

'' لیکن تہہ خانے تو اس عمارت میں کئی ہیں ... یہ بات تو تاریخی ریکارڈ سے بھی ثابت ہے۔''

'' لیکن سر! یہ کام تو پھر آپ لوگ ہی کریں گے... کیونکہ خفیہ کمروں اور تہہ خانوں کی تلاش میں جس قدر ماہر آپ ہیں ، کوئی اور کم ہی ہوگا۔''

'' تم صرف بیرونی راستوں پر نظر رکھو ... کیونکہ اس بات کا

زبردست امکان ہے کہ ہم اندر خفیہ راستے یا خفیہ تہہ خانے کی تلاش شروع کریں... اور نواب فخری انہیں کسی اور راستے سے نکال دے۔"

"ہوں... ٹھیک ہے... آپ مطمئن رہیں... ہم ہر دروازے پر نظر جمائے رہیں گے۔"

"اور یہی نہیں کہ تم ان آٹھوں میں سے کسی کو باہر نکلتے دیکھو تو بس اسی کو روکو... نہیں... کوئی بھی باہر نکلے... اسے روک لو۔"

"اس پر تو نواب فخری اعتراض کریں گے۔"

"کرتے رہیں... ہمیں اپنا کام کرنا ہے... ان کی ماتحتی نہیں کرنی... کیا سمجھے۔"

"بالکل سمجھ گیا سر۔"

اب انسپکٹر جمشید نے محمود، فاروق، فرزانہ کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

"آپ نہیں آئیں گے؟" محمود نے پوچھا۔

"نہیں! وزیر اعظم کا حکم!!"

تینوں اندر داخل ہوئے:

"اب ہمیں اس عمارت کی تلاشی لینی ہے۔"

"تم لوگ تو بچے ہو۔" نواب فخری نے منہ بنایا۔

"انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی... جن لوگوں کی تلاش میں ہم



ہیں... انہیں یہ لوگ تلاش نہیں کر سکے لہٰذا اب ہم کوشش کریں گے۔"

"بس اسی کی کسر رہ گئی تھی... جب تمہارے تجربہ کار پولیس والے ناکام ہو گئے تو تم کس کھیت کی مولی ہو... خیر جاؤ... کر لو کوشش۔" وہ طنزیہ ہنسی ہنسا۔

"شکریہ!" وہ ان کے ساتھ اندر چلے آئے۔

"ایک طویل و عریض عمارت میں کوئی خفیہ جگہ تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا... بہرحال انہوں نے اپنا کام شروع کیا... اور تینوں الگ الگ سمتوں میں مصروف ہو گئے... پہلے تو انہوں نے تمام کمروں کو دیکھا... جن کمروں میں نواب فخری کی رہائش تھی... ان کو خاص طور پر دیکھا... اس دوران نواب فخری اپنے بیوی بچوں کے ساتھ لان میں چلے گئے تھے اور بڑے بڑے منہ بناتے ہوئے گئے تھے... یہ سب ان کے لیے بہت ناگوار تھا... اس طرح انہیں دو گھنٹے اور گزر گئے لیکن کوئی کامیابی نہ ہو سکی... آخر وہ بیرونی دروازے کے پاس جمع ہوئے... نواب فخری کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی:

"اب دیکھنا اس شہر میں ہوتا کیا ہے... اس کا اندازہ بھی تم نہیں کر سکتے۔"

"ہم نے اپنی ڈیوٹی انجام دی ہے۔"

'' اب میں اپنی ڈیوٹی انجام دوں گا۔'' وہ ہنسے۔

'' آپ جو کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔''

'' ٹھیک ہے، آپ جا سکتے ہیں۔''

وہ باہر نکل آئے۔ اب وہ جیپ میں بیٹھے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ اس ناکامی نے انہیں بہت بری طرح تھکا دیا تھا:

'' اب کیا ہوگا ابا جان۔'' فرزانہ کے لہجے میں پریشانی تھی۔

'' کچھ نہیں ہوگا۔''

'' اور اخبارات۔''

'' اخبارات والے مجبور ہیں... نواب فخری جیسے لوگ جب پریس کانفرنس بلائیں گے تو انہیں جانا پڑتا ہے ... اور جو باتیں وہ کریں گے ... اخبارات والے ان کو شائع کرنے پر مجبور ہوں گے ... رہا سوال کہ کہیں شہر میں ہنگامہ آرائی نہ کروا دے .. تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ جتنی ضرورت وزیر اعظم صاحب کو ان کی ہے ... اس سے کہیں زیادہ ضرورت ان کو حکومت میں شامل رہنے کی ہے ... ویسے بھی ہمارے صدر صاحب منٹوں میں روٹھے ہوئے اتحادیوں کو منا لیتے ہیں ... اس لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

'' آپ کہتے ہیں تو ہم نہیں ہوتے فکر مند... لیکن مارے فکر کے



میں دبلا ہوا جا رہا ہوں ... '' فاروق نے مسکرا کر کہا۔

'' تم پہلے موٹے کب تھے۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

'' میں نے محاورۃً بات کی ہے۔'' فاروق نے اسے گھورا۔

'' آنکھوں ہی آنکھوں میں...ارے۔''

فرزانہ کہتے کہتے اچانک رک گئی۔

☆☆☆☆☆

# ناکامی کامیابی !!

انہوں نے حیران ہو کر فرزانہ کی طرف دیکھا:

'' اب کیا ہوا۔'' فاروق نے اسے گھورا۔

'' زبیر اختر۔''

'' کیا مطلب؟'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

'' مطلب یہ کہ زبیر اختر رانا کے پاس اس سلسلے میں نہایت اہم ثبوت ہیں ... اور عین ممکن ہے کہ مجرم اس کو راستے سے ہٹانے اور اس کے پاس موجود ثبوت مٹانے کی کوشش کرے۔''

'' لیکن کیسے ... اس کا ریکارڈ تو محکمہ داخلہ کی عمارت میں اس کے آفس میں رکھا ہے ... اور وہ عمارت ریڈ زون میں واقع ہے ... یہاں وہاں تو پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا ... تو پھر کوئی کیسے گارڈز کی تعیناتی اور اس سے متعلق دیگر ریکارڈ تک پہنچ سکتا ہے۔''

'' اس کیس میں مجرم کی پہنچ محکمہ داخلہ کے اعلیٰ ترین افسران



تک ہے لہٰذا اس کیلئے ثبوتوں کو مٹانا ذرا بھی مشکل نہیں ہوگا۔''

'' اوہ ... اوہ۔'' مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

'' یقیناً زبیر اختر رانا کا ریکارڈ ہمارے لئے بہت اہم ثابت ہوسکتا ہے ... اور ہمیں ساری توجہ اس طرف مرکوز کر دینی چاہیئے۔''

'' ابا جان! میرے ذہن میں ایک تجویز ہے ...''

'' کیا تجویز ہے فرزانہ ...''

'' تجویز یہ ہے کہ ہمیں مجرم کو اس کے بل سے باہر نکالنے کے منصوبے پر کام کرنا ہوگا ... اب تک وہ سات پردوں میں چھپا ہوا ہے اور ہمیں مسلسل الجھائے رکھنے میں کامیاب رہا ہے ...''

'' زبردست تجویز ہے فرزانہ واہ واہ !! ...'' فاروق مضحکہ خیز سنجیدگی سے بولا۔

'' بس ایک مہربانی کرنا ... ایسی کوئی اور تجویز نہ بتانا ... ورنہ ہم شرم سے پانی پانی ہو کر اسی پانی میں ڈوب ہی نہ جائیں کہ ایسی کوئی ترکیب ہم نہ بتا سکے ورنہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو جاتے۔'' محمود نے فاروق کا بھرپور ساتھ دیا۔

'' کیا کہنا چاہ رہی ہو فرزانہ ...'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

'' دیکھا محمود ... ابا جان بھی نہ سمجھ پائے ... کیا اعلیٰ پائے کی تجویز

آئی تھی فرزانہ کی طرف سے ...'' فاروق پھر بول اٹھا۔

''ارے بھئی اس بیچاری کو بات تو پوری کرنے دو ...'' انسپکٹر جمشید نے دونوں کو گھور کر دیکھا۔

''ہاں اب بولو فرزانہ ...'' وہ فرزانہ کی طرف پلٹے۔

''نہیں ابا جان! یہ دونوں میرا مذاق اڑانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں ... تجویز میں آپ کو پوری تفصیل کے ساتھ لکھ کر دوں گی۔'' فرزانہ منہ بنا کر بولی۔

O

دو دن تک انسپکٹر جمشید بہت مصروف رہے اور ان کے ساتھ محمود، فاروق، فرزانہ بھی ... وہ تینوں تو اس لئے کہ ان کے اسکول کے ماہانہ ٹیسٹ ہو رہے تھے اور ان کی پوری توجہ پرچوں کی تیاری پر تھی ... انسپکٹر جمشید کی انہیں سختی سے ہدایت تھی کہ اس دوران وہ اس معاملے کو ذہن سے بالکل نکال دیں ... دوسری طرف انسپکٹر جمشید اس دوران گھن چکر بن کر رہ گئے تھے ... پے درپے کئی ایسے واقعات رونما ہوئے تھے کہ اعلیٰ افسران کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہوگئی تھی ... محکمہ داخلہ کی عمارت میں آگ لگ گئی تھی اور زبیر اختر رانا کے دفتر کا



سارا ریکارڈ جل کر خاک ہوگیا تھا ... دوسری طرف ان تمام گھروں میں جہاں سیاہ پوش داخل ہوا تھا، دستی بم پھینکے گئے تھے جو زوردار دھماکوں سے پھٹے تھے لیکن گھر میں کھڑکی کاروں کے شیشے ٹوٹنے کے علاوہ کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہوا تھا ... اور ساتھ ہی ایک کارڈ بھی ان گھروں میں پھینکا گیا تھا ... جس پر شاتنا کی سرکاری انٹیلیجنس ایجنسی کا نشان بنا ہوا تھا ... بات شاتنا کے سفارت خانے تک جا پہنچی تھی ... اور شاتنا کی حکومت نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ان کا ملک ان واقعات میں ملوث نہیں ہے۔ لیکن کون مانتا ہے ... ابدالی، طورانی، نعمانی ... سب کا برا حال تھا ... اب وہ سب انسپکٹر جمشید کو فون پر فون کر رہے تھے کہ ان کو اس مصیبت سے نجات دلائیں ... افراسیاب خان اور زبیر اختر البتہ پرسکون تھے ... ان کی طرف سے کچھ سننے میں نہیں آیا تھا ... تیسرے دن پرچوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے گھر میں انسپکٹر جمشید کے ساتھ شام کی چائے پی رہے تھے کہ ...

ایسے میں اکرام کا فون ملا ... وہ کہہ رہا تھا:

''سر! زبیر اختر رانا کو کوٹھی کے پچھلے حصے سے نکلتے دیکھا گیا ہے ... ہم نے فی الحال اسے روکنے کی کوشش نہیں کی ... آپ جو حکم فرمائیں۔''

"تعاقب کرو ... ہم یہیں آ رہے ہیں۔"

"او کے سر۔"

وہ اکرام کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑے... جلد ہی وہ ان تک پہنچ گئے ... اب ان کی گاڑی آگے پیچھے تھی اور زبیر اختر رانا کی گاڑی کہیں اور آگے تھی ... فی الحال وہ انہیں نظر نہیں آ رہی تھی ... لیکن اکرام کا ایک ماتحت اس سے بھی آگے تھا ... لہٰذا اس کے نکل جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا اور اسی لیے وہ کافی فاصلہ رکھ کر تعاقب کر رہے تھے تاکہ اسے کسی قسم کا شک نہ ہو۔

پھر اکرام کے اس ماتحت نے بتایا:

"سر! زبیر اختر رانا کی کار مین ہائی وے سے اتر کر ایک پرانے پولٹری فارم کے کھنڈر میں داخل ہوئی ہے ... اب کیا کیا جائے۔"

"پولٹری فارم کے چاروں طرف موجود رہو ... ہم آ رہے ہیں... جس جگہ سے سڑک سے اترنا ہے، اس جگہ اپنا ساتھی چھوڑ دو۔"

"بہت بہتر سر۔"

اس طرح وہ پولٹری فارم تک پہنچے... انسپکٹر جمشید نے اشاروں میں ہدایات دیں:

"ہم چاروں طرف سے کھنڈر میں داخل ہونے کی کوشش کریں



گے اور دیکھیں گے ... وہ کھنڈر میں کہاں ہے ... کوئی اور کھنڈر میں اس کے ساتھ تو نہیں ہے... ہے تو کون ... وہ کیا کر رہے ہیں۔"

انہوں نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلا دیے ... اپنے پروگرام کے تحت وہ چار سمتوں سے آگے بڑھے... دیواریں گہری پڑی تھیں... کوئی چھت پوری کوئی نصف گر چکی تھی ... ویسے یہ کافی لمبا چوڑا پولٹری فارم تھا... اور نہ جانے کیوں یہ علاقہ ویران ہو چکا تھا ... کیونکہ اس کھنڈر کے آس پاس بھی کچھ اور کھنڈر نظر آئے تھے... گویا یہ پولٹری فارموں کے کھنڈر کی بستی تھی۔

اچانک ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے... ان کے سامنے ایک دیوار کے ساتھ زبیر اختر رانا کی لاش پڑی تھی... اس کے سینے سے خون ابل کر چاروں طرف پھیل چکا تھا... اس کی کھلی آنکھوں میں خوف کی جگہ شدید حیرت تھی... شاید قاتل نے اچانک سامنے آ کر اس پر سائلنسر لگے پستول سے فائر کیا تھا... یا پھر اسے قاتل سے ایسی امید نہیں تھی اور غالباً وہ اس کا ساتھی تھا... اور اسی نے اسے کھنڈر میں بلایا تھا... اسی لیے جب اس نے پستول اس پر تانا تو اس کی آنکھوں میں حیرت سما گئی ... اور وہ حیرت اب تک موجود ہے:

"اکرام ... ایک جیپ یہاں لا کر کھڑی کر دو اور اس کی

ہیڈ لائیں جلا دو... تاکہ یہاں روشنی ہو جائے۔

اکرام نے اپنے ایک ماتحت کو اشارہ کیا... جلد ہی وہ ٹوٹا پھوٹا کمرہ تیز روشنی میں نہا گیا۔

"افسوس!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"جی... کیا مطلب... افسوس۔"

"ہاں! اس سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا... لیکن ہم نے دیر کر دی، اس کا قاتل کھنڈر میں پہلے موجود تھا... ابھی یہ اندر داخل ہوا ہوگا، اس نے اپنا کام کیا اور نکل گیا... ظاہر ہے... ہم اس کے دس بارہ منٹ بعد یہاں تک پہنچے تھے... اس وقفے میں قاتل کہیں کا کہیں پہنچ گیا ہوگا... کیونکہ تقریباً یہاں سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر دوسری طرف نیشنل ہائی وے کی سڑک شہر کی طرف جا رہی ہے... لہٰذا وہ اپنا کام کر کے یہاں سے سڑک تک پہنچا... اور وہاں موجود اپنی کار میں فرار ہو گیا..."

"ممکن ہے وہ پیدل فرار ہوا ہو... یا موٹر سائیکل سے... یا پھر سائیکل پر نکلا ہو۔" فاروق بول اٹھا۔

"پیدل فرار ہونے کا امکان تو خیر بہت کم ہے البتہ ہم اس زاویے سے بھی جائزہ لیں گے۔"



"اور اگر وہ پیدل فرار نہیں ہوا تو پھر یہاں اس کی کار یا موٹر سائیکل کے ٹائروں کے نشانات تو موجود ہی ہوں گے... اور سڑک تک چلے گئے ہوں گے۔" اکرام نے پرجوش انداز میں کہا۔

"تو کیا وہ سڑک پر رک کر ہمارے آنے کا انتظار کرے گا... میرا مطلب ہے کہ وہاں پہنچ کر تو ہماری تفتیش کی گاڑی ٹھپ ہو جائے گی۔"

"لیکن ہم اس بنیاد پر ایک اہم ثبوت کو نظر انداز نہیں کر سکتے... تفتیش میں یہ پہلے سے نہیں طے کیا جاتا کہ فلاں ثبوت کام آئے گا یا نہیں... جو ثبوت ملتے جاتے ہیں... جمع کر لئے جاتے ہیں... پھر ساری کڑیاں ملا کر دیکھی جاتی ہیں اور جرم کی جڑ تک پہنچا جاتا ہے۔"

"تلاش کرو... یہیں کسی جگہ پر گولی کا خول بھی پڑا ہوگا۔"

زیادہ ڈھونڈنا نہیں پڑا کیونکہ پہلی ہی نظر میں خول ایک کونے میں پڑا نظر آ گیا تھا... چھوٹے جیبی پستول کی گولی کا خول تھا... اکرام نے خول ہاتھ میں اٹھا کر دیکھا... وہ ابھی تک ہلکا سا گرم تھا... یعنی کچھ ہی دیر پہلے فائر کیا گیا تھا... انسپکٹر جمشید نے اس کے سینے سے خون میں ڈوبی قمیص اٹھا کر زخم کا معائنہ کیا:

"پستول سینے پر رکھ کر فائر کیا گیا ہے..."

یہ کہہ کر وہ ٹائروں کے نشانات کی تلاش میں باہر نکل آئے... اور

پھر نشانات مل گئے ... یہ کسی موٹر سائیکل کے ٹائروں کے نشانات تھے .... اور تھے بھی بالکل تازہ ... لیکن یہ نشانات انہیں اسی سڑک پر ایک کلومیٹر پیچھے تک لے گئے جہاں سے وہ خود آئے تھے... وہ ایک ہی موٹر سائیکل کے نشانات تھے ... ادھر اکرام کے ماتحت اپنے کام میں مصروف ہو چکے تھے۔ وہ سڑک سے ہو کر پھر واپس کھنڈر میں آئے :

'' اس کی تلاشی لی اکرام ۔''

'' جی ہاں! عام استعمال کی چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملی... لیکن سر... یہ دیکھئے ...اس جگہ مٹی میں یہ جوتوں کے نشانات بھی ملے ہیں۔'' اکرام نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا ...جہاں چاک سے ایک دائرہ بنا دیا گیا تھا۔

'' قاتل اس جگہ چھپ کر کھڑا ہوگا ... اور یہ دیکھیں ...گیلے ہاتھ کا نشان ... شاید اس نے اپنے گیلے ہاتھ دیوار سے دیوار کا سہارا لیا تھا۔'' فاروق نے جوتوں کے نشانات کے پاس ہی اوپر دیوار اشارہ کیا۔

'' نہیں یہ ہاتھ سہارا لینے کا نہیں بلکہ دیوار سے ہاتھ پونچھنے کا نشان ہے ... یہ دیکھو انگلیاں پونچھی گئی ہیں ۔'' فرزانہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

'' لیکن قاتل کے ہاتھ گیلے کیوں ہو رہے تھے ...''



'' شاید گھبراہٹ کے سبب اسے پسینہ آ رہا تھا اور ہتھیلیوں پر آیا ہوا یہ پسینہ اس کیلئے پستول سنبھالنے میں مشکل پیدا کر رہا تھا ... ہو سکتا ہے کہ اس نے بڑی مشکل سے خود کو اسے قتل پر تیار کیا ہو ...کسی کو قتل کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے ... اور خاص طور پر اس وقت جب قاتل عادی مجرم نہ ہو ... یعنی جب اس پر قتل کرنے کا دباؤ ہو یا کسی مجبوری کے تحت وہ قتل کرنے پر خود کو آمادہ کر سکا ہو۔''

'' ایک بات اور ... موٹر سائیکل کے انجن کی آواز تو دور دور تک سنائی دیتی ہے اور پھر اس سناٹے میں تو اور بھی زیادہ ...لیکن ہمیں تو موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی کوئی آواز نہیں آئی ... کیوں انکل اکرام آپ کے ان آدمیوں نے ... جو زبیر اختر کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے ... کسی موٹر سائیکل انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز تو نہیں سنی۔'' محمود نے پوچھا۔

'' نہیں ...کوئی آواز نہیں سنی۔'' اکرام پر یقین لہجے میں بولا۔

'' یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے نہیں ...''

'' کیا پتا موٹر سائیکل پہلے سے ہی اسٹارٹ ہو ...''

'' لیکن چلتے ہوئے کچھ آواز تو پھر بھی آتی ہے ...''

'' اس کا جواب میرے پاس ہے۔'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"اور وہ کیا۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

"واٹر کول انجن والی موٹر سائیکل بے آواز ہوتی ہے ... یعنی اس کے انجن کو ٹھنڈا رکھنے کیلئے کار کی طرح اس کے ریڈی ایٹر میں بھی پانی ڈالا جاتا ہے ... اور اسی لئے اس کے انجن کو ٹھنڈا ہونے کیلئے ہوا کی ضرورت نہیں ہوتی ... لہٰذا اس کے انجن کو عام موٹر سائیکل کے انجن کی طرح کھلا رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ... بلکہ جس طرح کار کے انجن کو ساؤنڈ پروف رکھا جاتا ہے ... اسی طرح اس کا انجن بھی ساؤنڈ پروف کور میں ہوتا ہے ... اور اسی لئے اس کے انجن کی آواز باہر سنائی نہیں دیتی۔"

"حیرت انگیز ..."

"دلچسپ ..."

"سنسنی خیز ..."

تینوں کے منہ سے باری باری نکلا۔ انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف گھور کر دیکھا تو وہ گڑبڑا گئے ... البتہ اکرام مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس کا مطلب ہے کہ قاتل کے پاس واٹر کول موٹر سائیکل بھی ہے ... یہ تو بہت کام کی بات معلوم ہوئی ہے ... کیونکہ ایسی موٹر سائیکلیں تو یہاں بہت ہی کم لوگوں کے پاس ہوں گی ... اور ہم موٹر وہیکل رجسٹریشن کے محکمے سے یہ ریکارڈ نکال سکتے ہیں کہ ایسی موٹر سائیکلیں



یہاں کس کس کے پاس ہیں۔" اکرام کہتا چلا گیا۔

"جس جگہ سے موٹر سائیکل کے ٹائروں کے نشانات سڑک پر چڑھتے نظر آ رہے ہیں، اس مقام سے مٹی کا نمونہ ساتھ لے لو محمود ..." انسپکٹر جمشید نے کہا۔ محمود فوراً باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی وہاں سے روانہ ہوئے ... اکرام وہیں ٹھہر گیا تھا ... کیونکہ ابھی اس کو لاش کا انتظام کرنے کے علاوہ فنگر پرنٹ اور فارنسک والوں سے اپنی نگرانی میں ثبوت اکٹھے کروانے تھے۔ ایسے کاموں کیلئے انسپکٹر جمشید اس کے سوا اور کسی پر بھروسا نہیں کرتے تھے ... وہ اس پر بھرپور اعتماد کرتے تھے اور اس نے بھی ان کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی تھی۔

اکرام کو ان کاموں سے فارغ ہونے میں دو گھنٹے لگ گئے ... پھر لاش کو ایمبولینس میں ڈالا گیا .. پولیس کی گاڑیاں اور ایمبولینس شہر کی طرف روانہ ہوئیں ... کچے راستوں سے ہوتے ہوئے وہ ہائی وے پر آ گئے ... کئی گھنٹوں کی بھاگ دوڑ کے بعد سب بے حد تھک چکے تھے۔

اکرام کی جیپ اس کا ایک ماتحت چلا رہا تھا اور وہ برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا ... اکرام کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا اور سامنے سے آنے والی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس اسے آنکھوں میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں ... اس

نے آنکھیں بند کر لیں اور سر اپنی نشست کی پشت سے ٹکا لیا... عین اسی
وقت ایک ٹرک تیز رفتاری کے ساتھ برابر سے گزرا اور ساتھ ہی کان پھاڑ
دینے والا ایک زبردست دھماکا ہوا... اکرام کے ماتحت نے حاضر دماغی کا
ثبوت دیتے ہوئے لہراتی ہوئی جیپ کو الٹنے سے بچا لیا... دھماکے کے
نتیجے میں جیپ کا ٹائر پھٹ گیا تھا... لیکن اکرام جیسا تجربہ کار سراغرساں
یہ جانتا تھا کہ معاملہ ٹائر کے پھٹنے تک ہی محدود نہیں ہوگا... اور اس کو
یہ سمجھنے میں بھی دیر نہیں لگی تھی کہ بم گزرتے ہوئے ٹرک سے پھینکا گیا
ہے... جیپ رکتے ہی وہ تیزی سے اترا... پیچھے کا منظر کافی دل دہلا
دینے والا تھا... ایمبولینس دھماکے سے بری طرح تباہ ہو چکی تھی... بلکہ
اس کے پرخچے اڑ چکے تھے... اور ساتھ ہی زبیر اختر کی لاش کے بھی۔
وہ سر پکڑ کر سڑک پر بیٹھتا چلا گیا۔

☆☆☆☆☆



# اونٹ کی کروٹ

آنے والے تین دن بہت بھاگ دوڑ میں گزرے۔ محکمہ سراغرسانی
کی فارنسک لیبارٹری سے اس دوران انہیں کئی رپورٹیں موصول ہوئیں...
اس میں قاتل کے پسینے کی ڈی این اے رپورٹ بھی شامل تھی... زبیر اختر
کی ڈی این اے کی تفصیلی رپورٹ بھی موجود تھی۔ انسپکٹر جمشید رپورٹ دیکھ
کر عجیب انداز سے مسکرائے تھے... پھر واٹر کول موٹر سائیکل کے حوالے
سے بھی چند نام سامنے آئے تھے... جن کی انکوائری کے سلسلے میں خفیہ
فورس کے انچارج کو بھی انسپکٹر جمشید وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کرتے رہے
تھے... انسپکٹر جمشید کے موبائل فون پر وزارتِ خارجہ کی سیکرٹ سروس کے
چیف آفیسر کا فون نمبر بھی نظر آیا تھا... اور اسی چیف کے ساتھ انسپکٹر جمشید
کی بات چیت سے محمود، فاروق، فرزانہ نے اندازہ لگایا تھا کہ معاملے میں
کوئی غیر ملکی سفارت خانہ بھی ملوث ہے... لیکن ایک بات تو صاف تھی کہ
انسپکٹر جمشید ان بظاہر بے تکی وارداتوں کے اصل کرتا دھرتاؤں کے گرد اپنا

گیرا تنگ کر چکے تھے ... اسی دوران ایک روز صبح سویرے انسپکٹر جمشید دفتر جانے کی تیاری کر رہے تھے اور وہ تینوں اسکول کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ موبائل کی گھنٹی بجی... فون آئی جی صاحب کا تھا... وہ کہہ رہے تھے:

"جمشید! ایک اور واردات۔"

"جی ... کیا مطلب؟" انہوں نے چونکنے والے انداز میں کہا۔

محمود، فاروق، فرزانہ نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ کیونکہ ان کے والد اس انداز میں بات کرنے کے عادی نہیں تھے

"ہاں جمشید ... رات کو صلاح الدین خان کی کوٹھی میں سیاہ پوش داخل ہوا تھا۔"

"اور یہ کون ہیں سر۔"

"یہ احتساب بیورو کے ایک اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں... سیاہ پوش نے ان کے بھی ڈرائنگ روم اور ان کے ذاتی کمرے کی تلاشی لی ہے... اور مزے کی بات اس کے بھی گارڈز غائب ہیں... آخر یہ کیا چکر ہے جمشید۔"

"زبیر اختر رانا کا قتل ... اور گارڈز کا غائب ہو جانا، یہ سب ایک ہی کڑی نظر آتی ہے۔"



"اللہ مالک ہے ... بہرحال تم فوراً وہاں پہنچنے کی کوشش کرو۔"

یہ کہہ کر آئی جی صاحب نے فون بند کر دیا۔

"لو بھئی ... میں دفتر نہیں جاسکوں گا کیونکہ ایک اور جگہ واردات ہوگئی ہے اور تم اسکول سے سیدھے میرے دفتر آجانا ... آج اس کھیل کا ڈراپ سین کرنا ہی ہوگا۔"

"بہت بہتر!"

تینوں اسکول کیلئے روانہ ہوگئے۔

انسپکٹر جمشید دفتر سے صلاح الدین خان کا پتا معلوم کر کے اس کے مکان پر پہنچ گئے:

"یہ کیا ہو رہا ہے جمشید ... اور سنا ہے کل تو ایک قتل بھی ہو چکا ہے۔" وہ بولے۔

"ہاں! پروفیسر صاحب ... اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

اور پھر انہوں نے صلاح الدین خان کے ڈرائنگ روم میں ان سے ملاقات کی ... وہ کافی سیدھے سادے اور ایماندار سے آدمی نظر آئے ... البتہ رات کی واردات سے خوفزدہ اور پریشان سے تھے ... ان سے رسمی سی بات چیت ہوئی ... البتہ انہوں نے سوچ سوچ کر بتا دیا کہ دس پندرہ روز کے دوران کون کون ان سے ملنے آیا تھا۔ سوچنا اس لئے

پڑا کہ نہ تو ان کے ہاں سیکورٹی کیمرے لگے ہوئے تھے اور نہ ہی وہ اس قسم کا کوئی ریکارڈ یعنی ڈائری یا رجسٹر رکھتے تھے... انہوں نے ان ناموں پر نظر ڈالی ... یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی کہ ان کے ملاقاتیوں میں بھی افراسیاب خان کا نام موجود تھا ... اس پر وہ سوچ میں ڈوب گئے۔ البتہ یہاں سے جاسوسی آلات برآمد نہیں ہوئے ...

وہاں سے انسپکٹر جمشید اپنے دفتر آئے ... دوپہر کو اسکولوں سے فارغ ہو کر تینوں بچے بھی ان کی ہدایت کے مطابق وہیں پہنچ گئے۔ دفتر کے کیفے ٹیریا سے انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا ... پھر وہیں بیٹھ کر ہوم ورک ختم کیا ... پھر وہ سب اطمینان سے انسپکٹر جمشید کے دفتر کے صوفوں پر نیم دراز ہو گئے۔

'' اس پورے معاملے میں چند باتیں ایسی ہیں ... جن کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔'' فرزانہ سوچنے کے انداز میں بولی۔

'' ہوں ... بات جاری رکھو ...'' انسپکٹر جمشید اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

'' پہلی بات تو یہ کہ ساری وارداتیں محکمہ داخلہ کے افسران کے گھروں پر ہی کیوں ہوئی ہیں ... دوسری بات یہ کہ آخر سیاہ پوش اور اس کے ساتھی گھروں کے ڈرائنگ روم اور بیڈ روم کی تلاشی ہی کیوں لے



رہے ہیں کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ جو کچھ بھی وہ تلاش کر رہے ہیں ... وہ گھر کے کسی فرد یا صفائی کرنے والے ملازم کو ملا ہو اور وہ سے کسی دوسرے کمرے میں لے گیا ہو ... تیسری بات یہ کہ آپ نے اس بات کی طرف توجہ کیوں نہیں دی کہ ان ہی گھروں میں دوبارہ جب سیاہ پوش کے آدمی گھسے تو شائنا کی سرکاری انٹیلیجنس ایجنسی کا نشان کیوں ڈال گئے ... چوتھی اور آخری بات یہ کہ ابدالی کے گھر میں اس روز وہ آواز کیسی تھی جو آپ نے بھی سنی تھی اور میں نے بھی ...'' یہاں تک کہہ کر فرزانہ خاموش ہو گئی۔

'' جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ... آواز ابا جان نے اس وقت سنی تھی جب ابدالی صاحب کے ملازم یعقوب علی کے بیٹے کو اس کی وہ گول لما چیز اٹھا کر دی تھی جو ہمیں سامنے دیکھ کر بوکھلاہٹ میں اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی ...'' محمود بولا۔

'' کیا خیال ہے ... کیا اس چیز کو چیک نہ کر لیا جائے ... کہیں وہ آواز اسی چیز میں سے نہ آئی ہو.. حالانکہ اس کار خیر کیلئے مجھے ایک بار پھر ابدالی کے گھر کی دیوار پھلانگنی پڑے گی۔'' فاروق مسکرایا۔

'' نہیں اب اس کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ سیاہ پوش کی دوبارہ آمد اور شائنا کی انٹیلیجنس کا نشان ملنے کے بعد اب ان کے دماغ

درست ہوگئے ہیں اور سب بھرپور تعاون پر آمادہ ہیں ... تمہارے پہلے سوال کا جواب تو میں تلاش کر چکا ہوں ... دوسرے کا جواب ابھی میرے پاس نہیں ہے ... تیسرے سوال کا جواب میرے پاس ہے لیکن میں ابھی نہیں بتاؤں گا ... کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔''

'' تت ... تو کیا ... آپ جان چکے ہیں کہ یہ لوگ کون ہیں اور یہ وارداتیں کیوں کر رہے ہیں ... ان کا اصل مقصد کیا ہے ...''

'' ہاں بھئی ... میں یہ تو جان چکا ہوں کہ اصل مجرم کون ہے ... لیکن مقصد کیا ہے ... اس کے بارے میں مجھے نوے فیصد یقین ہے ...''

'' تو بتائیں نا ... کون ہے مجرم ؟؟ '' محمود سے رہا نہ گیا۔ یہی حال فاروق اور فرزانہ کا بھی تھا ... لیکن محمود کی طرح وہ بھی جانتے تھے کہ ان کے والد وقت آنے سے پہلے انہیں بھی نہیں بتائیں گے۔

'' اور رہی بات فرزانہ کے چوتھے سوال کی .. تو اس کا جواب حاصل کرنے ہم اسی وقت ابدالی صاحب کی طرف چلیں گے۔''

'' تو چلیں ...'' تینوں پرجوش انداز میں بولے۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی ان کی ملاقات بابا فضل سے ہوگئی ... تینوں نے اسے سلام کیا ... اس نے تینوں کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بہت سی دعائیں دی ... پھر وہ باہر نکل آئے۔



چلنے سے پہلے انسپکٹر جمشید نے لاکر کھول کر ایک ٹارچ نما چیز نکالی اور اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لی۔

O

اس بار ابدالی صاحب ان سے بڑے تپاک سے ملے اور اپنے گزشتہ سلوک پر شرمندگی بھی ظاہر کی:

'' دیکھئے انسپکٹر صاحب ... یہ سیاہ پوش تو جان ہی نہیں چھوڑتا ... اب جی چاہتا ہے ... گھر میں گھس جاتا ہے۔''

'' ہم آپ کے ملازم یعقوب کا رہائشی کوارٹر دیکھنا چاہتے ہیں۔''

ابدالی صاحب کے چہرے پر ایک لمحے کیلئے حیرت کے سائے لہرائے ... پھر انہوں نے تپائی پر رکھی گھنٹی بجائی ... چند سیکنڈ کے بعد ملازم یعقوب اندر داخل ہوا:

'' یعقوب ... انسپکٹر صاحب اور ان کے بچے تمہارا کوارٹر دیکھنا چاہتے ہیں ...''

'' آیئے سرکار ...'' وہ ایک طرف ہٹ کر انہیں راستہ دیتے ہوئے بولا۔

وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے کوارٹر کے سامنے پہنچ گئے۔ اس دوران انسپکٹر جمشید نے ٹارچ نما آلہ نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا اور کان

میں بلیو ٹوتھ جیسی ایک ڈیوائس نکالی تھی:

اور پھر انسپکٹر جمشید چونک اٹھے... ان کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا:

'' یہ ہوئی نا بات ...'' ان کے منہ سے نکلا۔

'' خیر تو ہے ابا جان... ہم میں سے تو کسی نے کوئی بات ہی نہیں کی ... کہیں آپ کو پھر وہی آواز تو نہیں سنائی دی۔''

''لیکن مجھے تو ابھی تک کوئی آواز نہیں آئی۔'' فرزانہ ہکلائی۔

'' اس آلے نے تمہارے کانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔'' فاروق جلانے والے انداز میں بولا۔

'' کیسی آواز سنی ہے آپ نے ...'' محمود نے پوچھا۔

'' یہاں ... اس کوارٹر میں کچھ ہے۔''

'' اللہ اپنا رحم فرمائے ،آپ کے خیال میں یہاں کیا ہے۔''

'' یہ تو مجھے معلوم نہیں۔''

'' خیر... دیکھ لیتے ہیں۔''

'' اندر آپ کو بٹھانے کی کوئی جگہ نہیں ہے ... اور میری بیوی بھی کچھ بیمار ہے ...وہ بھی اندر سو رہی ہے ... آپ حکم کریں تو اس کو اٹھا اندر کچن میں بھیج دوں ...'' یعقوب نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

'' کوئی بات نہیں ... انہیں تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہے ...



یہ میری بچی اندر جا کر اپنا کام کر آتی ہے۔''

'' آخر آپ کو اندر کیا کام ہے۔''

''بس ایک کام ہے ... آپ اپنی بیوی اور بچے کو سونے دیں... اندر صرف میری بچی جائے گی اور اپنا کام کر آئے گی۔''

'' اچھی بات ہے ... آپ اندر ہو آئیں۔'' اس نے فرزانہ سے مخاطب ہو کر جھجکتے ہوئے کہا۔

'' جاؤ فرزانہ ... اور یہ لے جاؤ۔'' انسپکٹر جمشید نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ٹارچ نما آلہ اسے تھما دیا... پھر بولے:

''اس کی سوئیوں پر نظر رکھنا ... اگر زور سے تھر تھرائیں تو سمجھ لو کام بن گیا۔''

'' جی اچھا۔'' فرزانہ نے کہا اور اندر داخل ہو گئی۔

'' کام بن گیا ... کیا مطلب ... کیا آپ خیال کر رہے ہیں کہ میں نے کوئی جرم کیا ہے۔'' یعقوب علی کانپ اٹھا۔

'' نہیں ہم نے ایسی کوئی بات نہیں سوچی ... آپ پریشان نہ ہوں۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ محمود اور فاروق کو اس کی حالت پر ترس آرہا تھا۔

فرزانہ چند منٹ بعد باہر آئی تو اس کے چہرے پر جوش ہی جوش تھا:

'' کیا بنا ؟'' ان کے منہ سے نکلا۔

'' کام ... سوئیاں بہت زور سے تھر تھرائی ہیں۔''

'' اوہ... اوہ۔''

'' لیکن سمت کا تو اندازہ ہو رہا ہے ... یہ پتا نہیں چل رہا کہ آواز کس چیز میں سے آرہی ہے ...''

اب تو ان کے چہروں پر حیرت ہی حیرت نظر آئی، پھر انسپکٹر جمشید نے ملازم سے کہا:

'' مجبوری ہے ... اب آپ کو اپنی بیوی اور بیٹے کو جگانا پڑے گا اور تھوڑی دیر کے لیے انہیں باہر آنا پڑے گا کیونکہ اب ہمارے اندر جائے بغیر چارہ نہیں ہے ... ہمیں افسوس ہے آپ کو بے آرام کرنا پڑ گیا۔''

'' کک... کوئی بات نہیں... لیکن آپ یقین جانیں... ہمارا کسی چکر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔''

'' آپ فکر نہ کریں ... ہمارا ہرگز ارادہ نہیں ہے کہ آپ کو مجرم ثابت کیا جائے ...''

'' تب پھر... آخر میرے ہی کوارٹر کی تلاشی کیوں ... گھر میں تو اور بھی ملازم ہیں۔''

'' ایک خیال کے تحت ہم ادھر آگئے تھے... لیکن ہمارے آلات



ہمیں بتا رہے ہیں کہ جس چیز کی ہمیں تلاش ہے ... وہ یہیں ہے۔''

'' اچھی بات ہے ... ایک منٹ ٹھہریں۔''

جلد ہی وہ بیوی کا بازو تھامے اور سوئے ہوئے بیٹے کو گود میں اٹھائے باہر آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اندر اپنا کام کر رہے تھے ... اچانک انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا:

'' اوہو! وہ ... اس طرف دیکھو ... یہ رہی ... مٹی کی اس چھوٹی سی کھلونے والی ہانڈی میں... سوئیاں اسی طرف اشارہ کر رہی ہیں ... اور یہ ہانڈی ضرور اس بچے کی ہے۔''

'' لیکن اس کے اندر اتنی جگہ کہاں کہ کچھ رکھا جاسکے۔''

'' اس کا ڈھکنا کھول کر دیکھو۔۔۔''

اور پھر جب فاروق کی انگلیاں ہانڈی سے باہر آئیں تو ان کے درمیان ایک ننھی سی گیند نما چیز اٹکی ہوئی تھی۔

'' وہ مارا۔'' ان سب کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر جمشید نے ٹارچ نما آلہ گیند کے قریب کیا تو سوئیاں تیزی سے آگے بڑھ کر HIGH کے نشان سے جا ٹکرائیں۔

'' یہ آلہ مختلف آوازوں میں سے ہلکی اور باریک ترین آواز کو

شناخت کر لیتا ہے اور اب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ وہ آوازیں اسی گیند
میں سے آ رہی تھیں .. اور اس وقت بھی اس میں سے ایک انتہائی باریک
آواز ابھر رہی ہے۔''

'' لیکن یہ ... اس گیند میں سے ابھرنے والی آواز ہے کیا ...''

'' یہ وہی آواز ہے جو ہم نے اس وقت سنی تھی ... جب یہ گیند اٹھا
کر یعقوب علی کے بیٹے کو دی تھی۔''

'' لیکن ہم یہ آواز صاف طور پر سنیں گے کیسے ... کیونکہ جب تک
ہم اسے سنیں گے نہیں ... کیسے جانیں گے کہ اس معاملے سے اس کا تعلق
کیا ہے ...''

اس کا بھی کوئی نہ کوئی انتظام کر ہی لیا جائے گا ... فکر نہ کرو ...''

O

وہ اس کوارٹر سے باہر نکلے تو یعقوب علی کا بیٹا بھی جاگ چکا تھا۔
انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں اپنی گیند دیکھ کر دوڑ کر ان کی طرف آیا:

'' انکل ! آپ ... میرا کھلونا لے جا رہے ہیں۔''

''اوہ نہیں ... ہم کل آپ کے لیے بہت سے برتن اور کھلونے
لے کر آئیں گے۔''



'' سچ! '' اس نے خوش ہو کر کہا۔

'' ہاں! بالکل سچ۔''

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا ... اور وہاں سے باہر آگئے۔

شام ہو چلی تھی ... وہاں سے وہ پروفیسر داؤد کے ہاں چلے
آئے۔ گیند کو دیکھ کر اور اس کا تجربہ گاہ میں معائنہ کرنے کے بعد وہ
سوچ میں ڈوب گئے ... پھر کچھ دیر کے بعد بولے:

'' جمشید ! یہ نامکمل ہے ...''

'' کیا مطلب ...'' وہ چونکے۔

'' مطلب یہ کہ یہ ٹیلیفون سیٹ کے ماؤتھ پیس یا ریسیور کی طرح
ہے ... اس کا کریڈل نما حصہ یعنی جس سے یہ منسلک ہو ... وہ اس کے
ساتھ نہیں ہے ... اسی لئے میں نے کہا کہ یہ نامکمل ہے ...''

'' اسے کہتے ہیں ٹائیں ٹائیں فش ...''

'' یہ تو کمند ہی ٹوٹ گئی ...''

'' اب کیا کریں ...''

'' ایک راستہ ہے ...'' پروفیسر داؤد بولے۔

'' اور وہ کیا !!''

'' تم دیکھ رہے ہو کہ اس گیند میں دو طرح کے رنگ جھلک رہے

ہیں ...ایک سرخی مائل اور دوسرا گہرا نیلا ...اور یہ رنگ حرکت کرتے نظر آ رہے ہیں ... بلکہ سرخ رنگ زیادہ ہے اور نیلا کم ... میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن یہ دونوں رنگ doppler shift کی طرف اشارہ کر رہے ہیں ... یعنی جب کوئی چیز ہم سے دور جاتی ہے تو اسپیکٹرم پر اس کی رنگت سرخی مائل ہو جاتی ہے اور جب قریب آتی ہے تو نیلی دکھائی دینے لگتی ہے ... اس کا مطلب یہ ہے کہ ... یعنی ممکن ہے کہ جب یہ گیند اپنے کریڈل یا مرکز یعنی دوسرے حصے کے قریب پہنچتی ہو یا اس سے دور جاتی ہو تو اپنی رنگت تبدیل کر لیتی ہو ...

'' اس کا تجربہ تو کیا جا سکتا ہے ...''

'' ہاں بالکل ... اس کو لے کر کسی سمت میں روانہ ہو جاؤ ...اگر اس کا سرخ رنگ پھیلنے لگے تو سمجھ لو کہ یہ اپنے مرکز سے دور جا رہی ہے ..اور اگر اس کے الٹ ہو تو سمجھ لو کہ قریب آ رہی ہے۔''

'' زبردست ...''

'' اس طرح تو ہم عین اس جگہ پہنچ سکتے ہیں جہاں اس کا دوسرا حصہ یا مرکزی سیٹ موجود ہے ...''

'' یعنی اصل مجرم تک ...وہ جو ان بے تکی وارداتوں کا ذمے دار ہے ...'' محمود کے منہ سے جوش کے عالم میں نکلا۔



جب وہ باہر آئے تو کامیابی کے نزدیک پہنچنے کے خیال سے تینوں بچوں کے چہرے تمتما رہے تھے ... صرف انسپکٹر جمشید پرسکون تھے اور ان کے چہرے پر ایک پرسکون مسکراہٹ تھی:

پھر جیپ میں ان کا سفر شروع ہوا ... گیند فرزانہ کے ہاتھ میں تھی اور سب کی نظریں گیند پر جمی ہوئی تھیں ... شہر کی مختلف سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے وہ گیند کے رنگوں میں معمولی سی تھرتھراہٹ نوٹ کرتے رہے ... کبھی وہ تھوڑی زیادہ سرخ ہو جاتی اور کبھی تھوڑی سی اور نیلی۔

وہ ان تمام گھروں کے قریب سے گزرے اور پھر ...

ایک گھر کے نزدیک پہنچتے پہنچتے گیند کا رنگ نیلا ہونے لگا ...سرخ رنگ تقریباً غائب ہو گیا۔ تینوں نے چونک کر اپنے والد کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرائے:

'' تت ... تت ... تو ... کیا ... یہ ہے وہ ...''

'' لیکن ابا جان یہ ... یہ کیسے ممکن ہے ...''

'' بس دیکھتے جاؤ ... ابھی حیران ہونے کے اور بھی موقع آئیں گے ...'' ان کے منہ سے نکلا۔

'' کیا آپ پہلے سے جانتے تھے کہ یہ شخص اصل مجرم ہے۔''

'' ہاں ! لیکن اب اس پر ہاتھ ڈالنے میں زیادہ مزہ آئے گا۔''

پھر انہوں نے آئی جی صاحب کو فون کیا:

"سر! ہم نے کیس حل کر لیا ہے۔"

"ہائیں ... کیا واقعی۔"

"جی بالکل۔"

"تب پھر جلدی بتاؤ جمشید ... ان وارداتوں کا کیا مقصد تھا ... اور اس کیس کا مجرم کون ہے ... زبیر اختر رانا کو کس نے قتل کیا اور کیوں۔"

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں سر ..." وہ ہنس کر بولے۔

"ہاں! میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں... تم اس طرح کچھ نہیں بتاؤ گے... تم سب کے سامنے اپنے انداز میں مزے لے لے کر بتاؤ گے۔"

"آپ بالکل ٹھیک سمجھے سر... میں کیس سے متعلق سب لوگوں کے نام آپ کو لکھوا دیتا ہوں ... آپ کل ان سب کو اپنے دفتر میں بلا لیں یا ان میں سے کسی ایک کے گھر میں چائے وغیرہ کا پروگرام رکھ لیں، سب وہاں جمع ہو جائیں گے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا، ہم کس کے گھر میں جمع ہوں، یہ بھی بتا دو۔"

"زاہد نسیم ابدالی کے ہاں۔"



"ارے باپ رے ... تت... تت تو کیا۔"

"یس سر... آگے کچھ نہ پوچھیے گا۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

"میں کچھ پوچھوں گا تو تم کون سا بتا دو گے۔" وہ ہنسے۔

○

دوسرے دن ٹھیک پانچ بجے شام وہ پروفیسر داؤد اور خان رحمان کو ساتھ لے کر زاہد نسیم ابدالی کے ہاں پہنچ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے فون پر خان رحمان سے کہا تھا کہ وہ اپنی بڑی گاڑی لیتے آئیں۔ مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی تاہم ابھی تمام مہمان نہیں آئے تھے... آئی جی صاحب البتہ ان سب سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ یہ دعوت ابدالی صاحب کی طرف سے دی گئی تھی۔ اب یہ اور بات ہے کہ دعوت دینے کے لیے انہیں آئی جی صاحب نے کہا تھا۔

آخر ساڑھے پانچ بجے تک تمام مہمان پہنچ گئے ... اور سب کو یہی وقت دیا گیا تھا... یعنی ابدالی صاحب نے سب کو فون پر کہا تھا کہ ساڑھے پانچ بجے تک ضرور پہنچ جائیں۔

سب مہمانوں کے چہروں پر بے چینی تھی ... کیونکہ انہیں نہیں معلوم تھا کہ یہ دعوت کس سلسلے میں دی گئی ہے ... وہ سب ایک دوسرے کی

جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یہ رائے کبیر تھا:

"لیکن کیوں، کیا ہمیں یہاں اس سلسلے میں جمع کیا گیا ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"تب پھر پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔"

"اس صورت میں مجرم ہوشیار ہو جاتا۔"

"آپ کا مطلب ہے ... مجرم یہاں... ہم لوگوں کے درمیان میں موجود ہے۔" رائے کبیر نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں ہاں۔"

"چلیے پھر... کریں بات۔" رائے کبیر نے منہ بنایا۔

"گارڈز کا مسئلہ یہ تھا کہ جہاں بھی سیاہ پوش نے واردات کی... اس کوٹھی کے گارڈ غائب ہو گئے... کیونکہ تفتیش کرنے والے آخر سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ مجرم اندر داخل کیسے ہوا... اس کیس کے مجرم کو سب سے بڑی آسانی گارڈز کی وجہ سے تھی ... ان کی مدد سے وہ اندر داخل ہوتا تھا... اور یہ بات بہت عجیب تھی ... اس لیے ہم نے زبیر اختر رانا کو چیک کرنے کا فیصلہ کیا ... کیونکہ اتنی بڑی سطح کے آفیسرز کی کوٹھیوں کی سیکورٹی کیلئے گارڈز کی تعیناتی ان کے ذمے



تھی... لیکن زبیر اختر رانا کو قتل کر دیا گیا۔ اس سے پہلے جب ہم نے نعمانی صاحب کے گارڈز پر ہاتھ ڈالا تو مجرم چوکنا ہو گیا اور اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا کہ آئندہ وہ سیاہ پوش کو گھر میں داخل کروانے کے فوراً بعد وہاں سے غائب ہو جائیں۔ اور پھر جس انداز سے اس نے اپنے دو ساتھیوں کو ہماری گرفت سے چھڑایا ... وہ یہ ظاہر کر دینے کیلئے کافی تھا کہ اس گروہ کے ہاتھ بہت لمبے ہیں ... یعنی یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ فصلی بٹیرے یا برساتی مینڈک قسم کے لوگ نہیں تھے ... بلکہ ان کا باقاعدہ منظم نیٹ ورک یہاں اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے ہے ... اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی ہم ان وارداتوں کا محرک نہیں جان پائے تھے ... بس یہ اندازہ تھا کہ سیاہ پوش کسی چیز کی تلاش میں ہے ... ہم اس لائن پر کام کر رہے تھے کہ مجرم شاید ان میں سے کسی ایک گھر میں اپنی کوئی اہم چیز بے دھیانی میں گرا گیا تھا ... اور اب وہ اسے تلاش کرنے کیلئے باری باری سب گھروں میں جا کر وہ چیز ڈھونڈ رہا ہے ... یقیناً وہ چیز انتہائی اہم اور حساس نوعیت کی ہے کہ اس کیلئے وہ اپنی جان کی بازی لگانے پر تلا ہوا ہے ... ہم نے سوچا کہ یہ کوئی ایسا شخص ہے جس کا ان سب گھروں میں آنا جانا ہے۔ اس خیال سے ہم نے پندرہ بیس دن کے دوران واردات والے گھروں میں آنے

والے ملاقاتیوں کی فہرست تیار کی ... کیسے تیار کی ... یہ بھی ایک دلچسپ قصہ ہے ... کیونکہ آپ لوگوں میں سے کوئی بھی ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ نہ تھا ... بلکہ ہماری آمد بھی آپ سب کو ناگوار گزر رہی تھی ... لیکن ہم ٹھہرے جاسوس ... کسی نہ کسی طرح اپنا کام نکال ہی لیا ... کیونکہ ہمیں اس ملاقاتی کے نام کی ضرورت تھی ... اور آخر ہم نے ایک پروگرام طے کیا ... رات کے وقت چوری چھپے زاہد نسیم ابدالی صاحب کے گھر میں داخل ہوئے:

''کیا !!!'' مارے حیرت اور خوف کے ابدالی صاحب چلائے ۔

'' ہاں ابدالی صاحب! ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں ... ہمیں ایسے کام بھی کرنا پڑتے ہیں ... لیکن آپ فکر نہ کریں ... ہم نے وہاں سے صرف آپ کے نگرانی کے کیمروں کے ڈی وی آر سے ہارڈ ڈسک اڑائی تھی ۔''

'' کمال ہے صاحب ...'' ابدالی صاحب نے کندھے اچکائے۔

'' جی ہاں ... ہم ایسا کرنے پر مجبور تھے ... اور یہی نہیں ہم نے نعمانی اور طورانی صاحبان کے گھر میں اسی طرح کی کارروائی کی تھی ۔''

اب باری تھی ان دونوں کے حیران ہونے کی ... نعمانی نے تو گھور کر دیکھنے پر ہی اکتفا کیا لیکن طورانی نے دھمکی دے ڈالی:



'' میں آپ کو اس سلسلے میں بھی گھسیٹ سکتا ہوں ... اور یہ سب لوگ گواہی دیں گے کہ آپ نے ان کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کیا ہے۔''

'' آپ یہ شوق ضرور پورا کریں ... لیکن قانون بھی آپ سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ آپ نے اس کیس کی تفتیش کے دوران کس کے ایما پر ہم سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔'' انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر طورانی خان کی طرف دیکھا ... ان کی اس بات پر سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا:

'' ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہم اس طرح کسی ایسے شخص کا پتا لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ جو واردات والے سب ہی گھروں میں گیا تھا اور ملاقاتیں کی تھیں۔ کوئی ایسا شخص ہی ان گھروں میں اپنی کوئی چیز گرا سکتا تھا ... اور جب ہم نے تمام نام سامنے رکھے تو ایسا ایک نام جناب افراسیاب خان کا سامنے آیا ...''

اور پھر جیسا کہ ایسے مواقعوں پر ہوا کرتا ہے کہ افراسیاب خان اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا، اس کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا:

'' بہت خوب ... لگتا ہے انسپکٹر صاحب کہ اپنے بچوں کے ساتھ آپ بھی بچے ہی ہو کر رہ گئے ہیں ... شاید قانون کی الف بے سے بھی واقف نہیں ہیں آپ ... میں آپ پر ہتک عزت کا کیس کر دوں گا۔''

"ذرا صبر سے کام لیجئے افراسیاب خان ...میری بات مکمل ہونے کا انتظار کیجئے ... پھر کوئی فیصلہ سنائیے گا۔"

"لیکن مسئلہ یہ تھا کہ افراسیاب خان نے ہمارے گھر آ کر ہم سے ملاقات نہیں کی تھی ... جب کہ سیاہ پوش نے اپنی تلاشی والی واردات ہمارے گھر میں بھی کی تھی ... لہٰذا ہمیں ایسا کوئی نام نہ ملا جس نے ان سبھی گھروں میں ملاقات کی تھی۔ افراسیاب خان اگر ہمارے گھر میں بھی آئے ہوتے تو بس معاملہ صاف تھا... لیکن چونکہ یہ ہمارے گھر نہیں آئے تھے ، اس لیے... ہم ان کے حوالے سے کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ اس دوران ہمارے گھر کے علاوہ باقی تمام گھروں کی ایک بار پھر تلاشی لی گئی اور حیرت انگیز بات یہ سامنے آئی کہ تلاشی لینے والے اپنے شناختی نشان کا کارڈ ہر جگہ چھوڑ گئے ... یعنی اس بات کا برملا اظہار کر دیا گیا کہ ان کا تعلق شانا کی سرکاری انٹیلیجنس ایجنسی سے ہے ... یہ ایک انتہائی چونکا دینے والی بات تھی اور تھی بھی عجیب سی ... اس لئے کہ کسی کو کیا ضرورت ہے کہ ان وارداتوں کے حوالے سے اپنی شناخت ظاہر کرتا پھرے ... اس بات نے جہاں ہمیں الجھایا وہاں ایک عجیب بات ہوئی ... سیاہ پوش کا گروہ کنفیوژن میں مبتلا ہوگیا ... ممکن ہے انہوں نے یہ بھی سوچا ہو کہ یہ ہماری کوئی چال ہے لیکن پھر اس الجھن میں پھنس گئے کہ



اگر واقعی شانا کی انٹیلیجنس ان کے مقابلے پر اتر آئی ہو تو ... لیکن شانا کیوں ... اس لئے کہ ان وارداتوں کے پیچھے موجود ہاتھ ہمارے ملک میں معدنیات کی تلاش کے سلسلے میں شانا کا بڑھتا ہوا عمل دخل روکنے کے لئے انشارجہ کی انٹیلیجنس کی ہدایت پر کام کر رہا ہے ... لہٰذا اس نے سوچا کہ شانا کی انٹیلیجنس کو ان کے منصوبوں کی خبر ہوگئی ہے اور کھلم کھلا مقابلے پر اتر آئی ہے۔ نشان چھوڑنے کا مطلب تو یہی تھا کہ وہ دشمن کو للکار کر اسے اپنے ارادوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں ... اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ سیاہ پوش گینگ سے بوکھلاہٹ میں حماقتیں سرزد ہونے لگیں ... اور ان حماقتوں کی ایک کڑی زبیر اختر کا قتل بھی ٹھہرا ... زبیر اختر کو راستے سے ہٹا کر سیاہ پوش گینگ نے اپنی طرف سے کوشش کی کہ ہماری تفتیش کی ڈور کاٹ دی جائے۔ کیونکہ گارڈز کی تعیناتی کے حوالے سے وہی سب سے زیادہ باخبر آدمی تھا ... اس طرح ہمیں زبیر اختر کی لاش ملی ... اس سے پہلے زبیر اختر کے دفتر میں بھی آگ لگ گئی یا لگا دی گئی لیکن گارڈز کی تعیناتی کا پورا ریکارڈ جل کر راکھ ہوگیا ... لیکن ہوا یوں کہ قتل کے مقام پر مجرم کئی اہم ثبوت چھوڑ گیا... ایک ثبوت کو مٹانے کے دوران وہ کئی اور ثبوت فراہم کر گیا ... یا یوں کہہ لیجئے کہ ہم وہ ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ...اس کے ساتھ ہی ہم نے کچھ

اور لوگوں کے ساتھ جن پر ہمیں شک تھا، آپ سب لوگوں کی کڑی نگرانی بھی کی۔ ان ثبوتوں کے ذریعے، ڈی این اے اور دیگر فارنسک رپورٹوں کی مدد سے ہم اس گتھی کو سلجھانے کے نزدیک آ گئے ... اور پھر اس دوران ایک ایسا ثبوت ہمارے ہاتھ آ گیا کہ ہم سیدھا سیاہ پوش کے گھر تک پہنچ گئے۔''

'' گھر پہنچا دیا ... کیا مطلب ... لیکن آپ لوگ تو میرے گھر پہنچے ہیں ... تو کیا آپ کا اشارہ میری طرف ہے ... لیکن میں اپنے ہی گھر میں واردات کیوں کروں گا۔'' ابدالی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

'' جی نہیں ... میرا یہ مطلب نہیں تھا ...'' انسپکٹر جمشید ابدالی کی طرف پلٹے...

'' ہم نے اپنا کام جاری رکھا ... اس دوران ایک اور بات ہوئی... ہم زاہد نسیم ابدالی صاحب کے گھر تفتیش کے سلسلے میں آئے۔ جب ہم وہاں سے رخصت ہو رہے تھے تو ڈرائنگ روم میں اچانک ایک پانچ چھ سال کا بچہ آ گیا... اس کے ہاتھ میں کوئی کھیلنے کی چیز تھی... گول سی چیز ... ابدالی صاحب نے بتایا کہ یہ ان کے ملازم یعقوب علی کا بیٹا ہے ... اور وہ بچہ ان کے گھر میں بہت گھل مل گیا ہے... یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے کوارٹر سے نکل کر ادھر بھی آ جاتا ہے۔ اتفاق سے گیند بچے



کے ہاتھ سے گر گئی ... اتفاق سے مجھے نظر آ گئی اور میں نے اٹھا کر بچے کے ہاتھ میں دے دی ... اس وقت میں نے اور میری بیٹی فرزانہ نے ایک ہلکی سی آواز سنی ... اس وقت تو ہم الجھ کر رہ گئے اور یہ اندازہ نہیں ہوا کہ آواز کہاں سے آئی ہے لیکن بعد میں جب ہم نے کیس پر نئے سرے سے غور کرنے کا فیصلہ کیا ... سب سر جوڑ کر بیٹھے ... اس وقت فرزانہ کو پھر اس آواز کا خیال آیا...''

یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے... سب ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے، انہیں رکتے دیکھ کر ان سے رہا نہ گیا۔

'' کیا ہوا ! آپ رک کیوں گئے ... آگے بتایئے نا۔'' رائے کبیر نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

'' عرض کرتا ہوں... فرزانہ کو خیال آیا تھا کہ ہمیں ملازم یعقوب علی کے کوارٹر کی تلاشی لینی چاہیے۔''

'' اوہ !'' کئی آوازیں ابھریں۔

'' آخر ہم نے یعقوب علی کے کوارٹر کی تلاشی لی اور ... اللہ کی مہربانی سے ہمیں وہ چیز مل گئی ... وہ چیز جس کیلئے یہ سارا کھڑاگ پھیلایا گیا تھا ... جس کیلئے زبیر اختر کا قتل ہوا ... جس کیلئے سیاہ پوش کو گھروں میں گھس کر اسے تلاش کرنا پڑا ... جس نے اس پورے کیس کو

آئینے کی طرح واضح کر دیا... کوئی سوال نہ رہا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ سب چلا اٹھے:

☆☆☆☆☆



# سیاہ مجسمہ

اب ان سب کے چہروں پر حیرت ہی حیرت تھی ... یہاں تک کہ آئی جی صاحب بھی حیران تھے ... کیونکہ اصل بات تو ابھی تک انہیں بھی نہیں بتائی گئی تھی:

''کیا !!! یعقوب علی ... تو تم ہو سیاہ پوش ... یقین نہیں آتا ... آستین کے سانپ ...'' زاہد نسیم ابدالی غصے میں پھنکارے۔

اب امید تو یہی تھی کہ یعقوب علی اچھل کر کھڑا ہو جائے گا ... پستول جیب سے نکالے گا اور کہے گا:

''خبردار ... کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے ...''

لیکن وہ بے چارہ تو دروازے کے پاس کھڑا تھر تھر کانپے جا رہا تھا ... اور پھر ایسا لگا جیسے اس کی ٹانگوں سے جان ہی نکل گئی ... جہاں کھڑا تھا وہیں دھپ سے بیٹھ گیا:

''یقین کریں صاب ... میں ... میں ... میں تو ...'' اس سے آگے

وہ کچھ نہ بول سکا۔

''ارے نہیں ابدالی صاحب ... ایسی کوئی بات نہیں ہے ... دراصل وہ چیز اس کے بیٹے کو آپ کے ڈرائنگ روم سے ملی ہوگی اور اس نے کھیلنے کی چیز سمجھ کر اٹھا لی ہوگی۔''

''اوہ!'' ابدالی کا لہجہ نرم پڑ گیا۔

یعقوب علی کی جان میں جان آئی۔

''اور... اور... وہ کیا چیز تھی۔'' ابدالی کے منہ سے نکلا۔

''وہی کھیلنے کی چیز ... جو اس روز اس بچے کے ہاتھ میں نظر آئی تھی ... جو اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی ... اور میں نے اٹھا کر اسے دی تھی۔''

''آپ نے بتایا نہیں کہ وہ کیا چیز تھی۔'' خان طورانی بے چین ہو کر بولے۔

''وہ وہی چیز تھی ... جس کی تلاش میں سیاہ پوش در در بھٹک رہا تھا... جس کی گمشدگی نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔'' وہ مسکرائے۔

''اللہ اپنا رحم فرمائے... آخر وہ ایسی کیا چیز ہے ... اور وہ کیوں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔''

''میں ابھی وہ چیز پیش کروں گا ... آپ سب اسے اپنی آنکھوں



سے دیکھ لیں گے۔''

اب انسپکٹر جمشید نے جیب سے کوئی چیز نکالی اور ان سب کے سامنے میز پر رکھ دی۔ یہ وہی گیند نما چیز تھی ... لال اور نیلا رنگ بدلتی... سب نے اسے چھو کر اور ہاتھ میں لے کر دیکھا... جب سب دیکھ چکے تو وہ بولے:

''یہ ہے وہ چیز ...آپ نے اسے دیکھ کر کیا اندازہ لگایا۔''

سب نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں، ہم کچھ نہیں سمجھ پائے۔'' طورانی خان کے منہ سے نکلا۔

''خیر کوئی بات نہیں ... میں آپ کو اس کی آواز سنواتا ہوں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے ایک چھوٹا سا آلہ جیب سے نکال کر گیند کے ساتھ رکھ دیا... ہال میں آواز صاف سنائی دینے لگی ...عجیب سی آوازیں تھیں جن کا کوئی مطلب نہیں تھا... وہ الفاظ ان کی سمجھ میں نہ آسکے:

''یہ تو بے معنی سی آوازیں ہیں ...'' آئی جی صاحب بولے۔

''جی ہاں سر! یہ واقعی بے معنی سی آوازیں ہیں ... اور ان آوازوں کو معنی خیز بنانے کیلئے ہمیں ایک جگہ جانا ہوگا۔''

''کیا مطلب ...'' رائے کبیر چونکے۔

''یہ گیند دراصل ایک لاسلکی یا وائرلیس آلے کا ایک حصہ ہے ...

جب تک دونوں حصوں کو ساتھ نہیں رکھا جائے گا یا جوڑا نہیں جائے گا... ان آوازوں کا کوئی مطلب نہیں بن پائے گا۔''

''اور یہ دوسرا حصہ ہے کہاں؟''

''اسی شہر کے ایک گھر میں ... جہاں ہم آپ سب کو لے کر جائیں گے ...''

''اب یہ ایک اور موڑ دے دیا آپ نے کہانی کو۔'' ابدالی صاحب مسکرائے۔

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اصل مجرم کون ہے ...۔''

''تو کیا وہ ہمارے انتظار میں بیٹھا ہوگا ... اب تک تو کہیں کا کہیں پہنچ گیا ہوگا۔'' نجم الدین نعمانی طنزیہ انداز میں بولے۔

''شاید بیٹھا ہی ہو ... کیونکہ ہم نے اس کے فرار کے سارے راستے بند کر دیے ہیں۔''

O

پھر تھوڑی دیر بعد وہ سب خان رحمان کی بڑی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے ... انسپکٹر جمشید گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے اور فرزانہ ان کے ساتھ



والی سیٹ پر تھی ... گاڑی کے سب سے پیچھے والی سیٹ پر محمود اور فاروق بیٹھے تھے ... اور گاڑی میں بیٹھے مہمانوں کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لے رہے تھے ... مہمانوں میں سے ایک شخص کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے اور اس کی نظر بار بار اپنے ہاتھ میں موجود موبائل فون کی طرف اٹھ رہی تھی .. ایسا لگ رہا تھا کہ اسے کسی کی کال یا پیغام کا انتظار ہو ... اسی وقت انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی:

''میری بیٹی فرزانہ کے ہاتھ میں اس وقت وہی گیند ہے جو آپ ابھی دیکھ چکے ہیں ... اس وقت اس گیند کا رنگ آدھا نیلا اور آدھا لال ہے ... جیسے جیسے ہم اپنی منزل کے نزدیک تر ہوتے جائیں گے ... آپ دیکھیں گے کہ اس گیند کا رنگ نیلا ہوتا جائے گا ... اور منزل پر پہنچتے پہنچتے گیند مکمل طور پر نیلی ہوجائے گی۔''

سب نے دلچسپی سے گیند کی طرف دیکھا ... اور پھر گیند آہستہ آہستہ رنگ تبدیل کرنے لگی۔ بیس منٹ کے سفر کے بعد گیند ایک مکان کے گیٹ پر جا رکی .. مکان کے گیٹ پر بڑا سا تالا جھول رہا تھا۔

''یہ آپ ہمیں کہاں لے آئے، یہ کس کا گھر ہے۔'' طورانی خان کی آنکھوں میں حیرت تھی ... اور یہی سوال سب کی آنکھوں میں تھا۔

انسپکٹر جمشید مسکرائے لیکن کچھ بولے نہیں ... پھر جیسے ہی وہ گاڑی سے

اترے ... انہیں اکرام ایک درخت کی اوٹ سے نکل کر آتا نظر آیا:

'' کیا رپورٹ ہے اکرام ...'' انہوں نے پوچھا۔

'' سب ٹھیک ہے سر ... تیاریاں مکمل ہیں۔''

'' بہت خوب ... تو پھر شروع ہو جاؤ !''

اکرام نے ہاتھ اٹھا کر کچھ اشارہ کیا ... اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دس پندرہ پولیس کمانڈوز نہ جانے کہاں سے نکل کر اچانک سامنے آ گئے اور پورے مکان کو گھیرے میں لے لیا ... پھر وہ دیواریں پھلانگ کر اندر داخل ہوئے ... ایک نے گیٹ کے تالے پر فائر کیا اور وہ دو ٹکڑے ہو کر فرش پر گر پڑا ... اس کے بعد بم ڈسپوزل اسکواڈ نے گھر کو بم کے خطرے سے کلیئر قرار دیا ... بم ڈسپوزل والوں کا انتظام انسپکٹر جمشید نے اس لئے کیا تھا کہ اس کیس میں پہلے بھی ایک سے زیادہ مرتبہ بم کا استعمال کیا گیا تھا ... اور اس بات کا مکان تھا کہ ان کے اندر داخل ہوتے ہی مکان کو دھماکے سے اڑا دیا جائے ... سارے مہمان حیرت سے آنکھیں پھاڑے یہ کارروائی دیکھ رہے تھے ... پھر وہ سب اندر داخل ہوئے ... گھر خالی پڑا تھا ... اندر کوئی بھی نہیں تھا ... مختلف کمروں سے گزرتے ہوئے جیسے ہی وہ گھر کے بیڈ روم میں پہنچے ... گیند میں سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسی اس وقت آتی ہیں جب ریڈیو سیٹ یا عام



ٹیلیفون سیٹ کے نزدیک موبائل فون رکھ دیا جائے ... تیز سیٹی جیسی آواز۔

'' معلوم ہوتا ہے کہ ہم بالکل نزدیک پہنچ گئے ہیں۔''

'' لیکن اس کمرے میں تو کچھ بھی نہیں ہے ... سوائے ایک میز اور کرسی اور اس کاؤچ کے ...''

انہوں نے میز کی درازیں کھول کھول کر دیکھیں ... کرسی کو ہر طرف سے دیکھ ڈالا ... لیکن بے سود ... البتہ گیند میں سے ابھی تک سیٹی جیسی آواز آ رہی تھی

'' یہاں اس کمرے میں تو کچھ بھی نہیں ہے ...'' فاروق کندھے اچکا کر بولا۔

'' کمرے میں نہیں تو کمرے کے نیچے یا دیواروں کے پیچھے کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔''

'' یعنی اب ہمیں کوئی تہ خانہ، یا خفیہ خانہ تلاش کرنا ہوگا۔''

'' چلو تو پھر ہو جاؤ شروع ...'' محمود نے فاروق اور فرزانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

'' بہت خوب ... اور آپ اس دوران کیا کریں گے ...'' فرزانہ جھلا کر بولی۔

'' میں تم لوگوں کو تمہارے کام پر نمبر دوں گا۔'' محمود نے چڑانے
والے انداز میں جواب دیا۔

'' اس طرح الجھتے رہو گے تو مجرم کہیں کا کہیں پہنچ جائے گا۔''
انسپکٹر جمشید کی آواز آئی ... وہ اسی وقت کمرے میں داخل ہوئے تھے ...
پروفیسر داؤد اور خان رحمان بھی ان کے ساتھ تھے ... پروفیسر کے ہاتھ
میں ایک بیگ بھی تھا:

'' تم کہو تو میں ایک منٹ میں بتا دوں کہ خفیہ راستہ کہاں ہے۔''
پروفیسر داؤد نے پرسکون آواز میں کہا۔

'' آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں پروفیسر کہ یہ خفیہ راستہ آپ ہی نے
بنوایا ہو ...'' خان رحمان نے ان کی طرف گھور کر دیکھا۔

'' بنوایا تو نہیں البتہ میرے پاس جادو کی چھڑی ہے ...''

'' جادو کی چھڑی ... پروفیسر انکل ...'' تینوں نے آنکھیں پھاڑ کر
ان کی طرف دیکھا۔''

'' ارے بھئی۔۔ میں نے پروفیسر صاحب کو پوری تیاری سے
آنے کی ہدایت کی تھی ... کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ یہاں آکر ایسا ہی کچھ
کرنا پڑے گا ... ظاہر ہے اتنی اہم چیز سامنے تو رکھی نہیں ہوگی۔''

'' اچھا ... تو اسی لئے آپ کوئی ایسا آلہ ساتھ لائیں ہیں ... جس



سے خفیہ خانے یا کسی تہہ خانے کا سراغ لگایا جا سکے ...''

'' بہت معمولی سا آلہ ... جو آواز کی لہریں کسی بھی فرش یا دیوار
پر ڈال کر یہ بتا سکتا ہے کہ وہ کتنی جلدی پلٹ کر اس آلے سے واپس
ٹکراتی ہیں ... اگر فرش کے نیچے یا دیوار کے پیچھے خلا ہے تو لہریں دیر
سے واپس لوٹتی ہیں... بس اتنی سی سائنس ہے اس کی ...''

'' اوہ !'' ان کے منہ سے نکلا۔

پھر پروفیسر داؤد نے اپنا کام شروع کیا ... اور پھر واقعی ایک
منٹ سے بھی پہلے اس آلے کی مدد سے وہ خفیہ خانہ تلاش کرنے میں
کامیاب ہو گئے ... لیکن وہ صرف خانہ ہی نہیں بلکہ خفیہ تہہ خانہ ثابت
ہوا ... جس کی سیڑھیاں اب ان کے سامنے تھیں ... گیند میں سے اس
وقت بھی سیٹی کی آواز آ رہی تھی ... تہہ خانے میں صرف محمود. فاروق،
فرزانہ ، انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد اترے تھے ... لیکن پھر
ابدالی بھی ان کے پیچھے تہہ خانے میں آ گئے تھے ... اندر کا منظر عجیب
تھا۔ ان کے سامنے تہہ خانے کے فرش پر ایک آدمی خوفزدہ انداز میں
بیٹھا ہوا تھا ... اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا، جس کی نال اس نے
اپنی کنپٹی سے لگا رکھی تھی ... اسے دیکھ کر ابدالی کے منہ سے چیخنے والے
انداز میں نکلا:

"زبیر ... یہ ... یہ تو ... زبیر اختر رانا ... مگر یہ تو مر چکا تھا ..."

"خبردار ... کوئی میرے قریب آیا تو میں خودکشی کر لوں گا ... گولی چلا دوں گا ..." زبیر اختر رانا کی آواز تہہ خانے میں گونجتی چلی گئی۔

وہ سب جہاں تھے وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے ... شاید پہلی دفعہ ایسی صورتحال سے ان کا واسطہ پڑا تھا جہاں مجرم ان کے سامنے تھا لیکن ان پر فائر کرنے کے بجائے وہ اپنے آپ کو مارنے کی دھمکی دے رہا تھا ... وہ سٹپٹا کے رہ گئے۔

اور پھر وہ ہوا جس کی کسی کو توقع نہیں تھی ... ایک فائر ہوا اور زبیر اختر کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اچھلا ... تہہ خانے کی چھت سے ٹکرایا اور اس سے پہلے کہ زمین پر آگرتا یا کسی کے سر پر پڑتا فاروق نے آگے بڑھ کر چھلانگ لگائی اور پستول کو اوپر ہی اوپر اچک لیا ... انہوں نے دیکھا ... اس وقت انسپکٹر جمشید نے پتلون کی جیب سے ہاتھ باہر نکالا ... ان کے ہاتھ میں پستول تھا اور پتلون کی جیب میں ایک عدد سوراخ نظر آرہا تھا ... جس میں سے دھواں بھی اٹھ رہا تھا ... انسپکٹر جمشید نے جیب کے اندر ہی ہاتھ رکھے رکھے فائر کیا تھا، اور گولی ٹھیک نشانے پر یعنی زبیر اختر کے پستول پر پڑی تھی:

"زبردست جمشید ... مان گئے بھئی ..." پروفیسر داؤد حیران ہو کر



بچوں کی طرح تالیاں بجانے لگے ... سب مسکرا دیئے۔

"ابا جان ... یہ اسی ساخت کا پستول ہے نا ... جس میں استعمال ہونے والی گولی کا خول ہمیں اس کی لاش کے پاس سے ملا تھا ..." اس نے پستول کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ... ماڈل تو وہی ہے۔" انہوں نے زبیر اختر رانا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ... وہ بالکل سن ہو کر رہ گیا تھا ... اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"وہ دیکھئے ... اس طرف ... اس شیشے کی الماری میں۔" محمود کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ سب چونک کر پلٹے ... الماری میں سامنے ہی ایک خانے میں کالے رنگ کا ایک مجسمہ رکھا تھا ... مجسمے کا منہ کھلا ہوا تھا ... یہ کسی حبشی کے چہرے کا مجسمہ تھا جس کے کانوں میں بالیاں بھی جھول رہی تھیں ... عام طور پر ایسے بت ایش ٹرے کا کام دیتے ہیں ... بظاہر کسی الماری میں ایسا مجسمہ رکھا ہونا کوئی انہونی اور چونکا دینے والی بات نہیں تھی ... عجیب بات تھی تو یہ کہ مجسمے کی دائیں آنکھ میں چند سیکنڈ بعد ایسی روشنی چمکتی جیسی آسمان میں پرواز کرتے وقت ہوائی جہاز کے پروں میں جلتی بجھتی رہتی ہے ... اس وقت بھی مجسمے کی آنکھ میں ویسی ہی چمک لہرائی

تھی جس کی وجہ سے محمود کی توجہ اس کی طرف گئی تھی...

پروفیسر داؤد آگے بڑھے... اور انہوں نے مجسمے کے کھلے منہ میں جھانک کر دیکھا... پھر بولے:

"وہ گیند یہاں لاؤ فرزانہ..."

فرزانہ نے گیند ان کے ہاتھ میں پکڑا دی... اور انہوں نے نہایت احتیاط سے گیند کو مجسمے کے منہ میں رکھ دیا... گیند منہ کے اندر جا کر اس طرح ٹک گئی جیسے کسی کھانچے میں بیٹھ گئی ہو... اسی کے ساتھ مجسمے کی دونوں آنکھیں بلب کی طرح روشن ہوگئیں... اور سیٹی کی آواز بھی ختم گئی... گیند اب بالکل خاموش تھی۔

"تو... یہ ہے اس گیند کا مرکز... اس کا دوسرا حصہ..."

☆☆☆☆☆



# اصل آدمی

تھوڑی دیر بعد وہ زہیر اختر اور مجسمے کو لے کر اوپر آئے... گیند وہ مجسمے کے منہ سے نکال چکے تھے اور اس وقت مجسمہ اور گیند انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں تھے... وہ بڑے غور سے مجسمے کو دیکھ رہے تھے... اس کے سر کے عین درمیان میں ایک انگوٹھے کا نشان بنا ہوا تھا۔ اس نشان کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔

یہاں بھی زہیر اختر کو ان کے ساتھ دیکھ کر کئی حیرت زدہ آوازیں ابھریں: "لیکن یہ زہیر اختر یہاں کیسے... اس کو تو قتل کر دیا گیا تھا۔"

"وہ سب ڈرامہ تھا... دراصل اس نے اپنے قتل کا ڈرامہ خود اسٹیج کیا تھا۔"

"ت... تو... کیا... یہی تھا وہ سیاہ پوش..."

"جی ہاں... یہی ہے وہ سیاہ پوش۔"

"یہ کیا ہے... آپ کے ہاتھ میں..." نجم الدین نعمانی نے مجسمے

کی طرف اشارہ کیا۔

''وہی جس کی تلاش میں ہم یہاں آئے تھے ...''

''اوہ!'' ایک بار پھر کئی آوازیں ابھریں۔

''لیکن اس نے اپنے قتل کا ڈرامہ کیوں رچایا۔''

''میں ابھی سب کچھ آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا ... لیکن پہلے ذرا اس مجسمے سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔''

اب وہ سب ایک بڑے کمرے میں آگئے ... یہاں کرسیاں اور صوفے بھی تھے ...وہ ان پر بیٹھ گئے ... اب انہوں نے ایک بار پھر گیند کو اسی طرح مجسمے کے منہ میں رکھ دیا ...ایک منٹ بعد مجسمے کے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکلنی شروع ہوگئیں ... بے مطلب سی آوازیں ... لیکن جلد ہی آوازیں باقاعدہ الفاظ میں تبدیل ہوگئیں ...لیکن یہ کسی انجان زبان کے الفاظ تھے ... کچھ کچھ عربی سے ملتے جلتے ...لیکن نہ سمجھ میں آنے والے ...

''یہ عبرانی زبان کے الفاظ ہیں ... یہ زبان آج بھی بنگال میں استعمال کی جاتی ہے ... ہم نے یہاں ایک دوست کو دعوت دی ہے ... وہ بہت سی زبانوں کے ماہر ہیں ... ارسلان نعیم صاحب! آپ یہ الفاظ سن رہے ہیں۔''



''جی بالکل ...'' ان کے بائیں طرف بیٹھے شخص نے فوراً کہا۔

''ان الفاظ کا ترجمہ سنا دیں۔''

''جی اچھا! اس آلے میں سے جو آواز ابھر رہی ہے ... وہ کہہ رہی ہے ... نمبرون ... نمبر ون ... نمبرون ... تمہاری طرف سے بہت دنوں سے کوئی رپورٹ نہیں ملی ... تم خیریت سے تو ہو نا ... تمہارے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں پیش آگیا ...تم وہاں کی انٹیلیجنس کی نظروں میں تو نہیں آگئے ... فوراً جواب دو۔''

''کیا مطلب!'' وہاں موجود تقریباً سب لوگوں کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''ابھی ہم نے اس آلے کو آن نہیں کیا ،جونہی آن کریں گے ... ہماری آواز دوسری طرف سنی جا سکے گی ... اب آلے پر میں بات کروں گا اور اس شخص کی آواز میں بات کروں گا ... جس کی یہ چیز ہے ... یا جس کے پاس یہ تھی ... لیکن وہ اس سے ان چند گھروں میں سے کسی ایک میں گر گئی تھی اور وہ خفیہ طور پر اس چیز کی تلاش میں پاگل ہوا جا رہا تھا ... کیونکہ اس کے بغیر وہ ان لوگوں سے بات نہیں کرسکتا تھا ... یہ انہیں لوگوں کا دیا ہوا آلہ تھا ... پروفیسر صاحب! آپ ذرا اس آلے کو آن کریں ... اس کے بعد میں بات کروں گا۔''

''کیوں نہیں جمشید۔'' وہ بھرپور انداز میں مسکرائے، پھر انہوں نے آلے کو اٹھا کر نہ جانے اس کے ساتھ کیا کیا کہ ٹوں ٹوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ ساتھ ہی آواز آئی جس کا ترجمہ آہستہ آواز میں ارسلان نعیم انہیں سناتے رہے:

''نمبر ون ... نمبر ون ... فنگر پرنٹ پلیز ... یور آئی ڈی پلیز ... کیا یہ تم ہی ہو۔''

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کو اشارہ کیا ... اس طرح کہ کوئی بھی دیکھ نہ سکا ... اس وقت خان رحمان ایک مہمان کی کرسی کے بالکل پیچھے کھڑے تھے... اور پھر جو کچھ بھی ہوا ... لمحے بھر کے اندر ہوا ... خان رحمان نے مہمان کو گرفت میں لیا اور اسے دھکیلتے ہوئے انسپکٹر جمشید کی طرف لے آئے ... انسپکٹر جمشید نے مہمان کا ہاتھ پوری قوت سے پکڑا اور اس کے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا مجسمے کے سر پر بنے انگوٹھے کے نشان پر رکھ دیا ... مہمان ہکا بکا رہ گیا ... لیکن اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔

اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی اس کے منہ سے کچھ نہ نکل پایا ... ورنہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اس حرکت بلکہ بدتمیزی کے صلے میں خان رحمان پر ہاتھ چھوڑ بیٹھتا ... دوسری طرف سب ہی بوکھلا گئے تھے



اور کچھ تو اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے ... اسی وقت مجسمے کے منہ سے نکلا:

''تھینک یو نمبر ون ... شکر ہے کہ یہ تم ہی ہو ... ورنہ ہم تو سمجھے تھے کہ تم مارے گئے یا انٹیلیجنس کے ہتھے چڑھ گئے۔''

''نہیں سر، میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

''اوہ اوہ ... یہ جان کر اطمینان ہوا، ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تانبے اور سونے کے نئے ذخائر جنوب مغربی صوبے میں سامنے آئے ہیں...ہمیں فوری طور پر اس کی رپورٹ چاہیے ...''

''میں اس وقت تفصیل سے بات نہیں کر سکتا ... مجھے اچانک ایک سرکاری کام سے شہر سے باہر بھیج دیا گیا اور میں آج بلکہ اسی وقت واپس آیا ہوں ...وزارت داخلہ کے کچھ افسران بھی میرے ساتھ میرے گھر پر آئے ہوئے ہیں اور ان سے نظر بچا کر میں آپ کو یہ پیغام دے رہا ہوں۔'' انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس میں سے پڑھ کر وہ یہ الفاظ دہرا رہے تھے۔ یہ واقعی ایسے جملے تھے جو کسی بھی سوال کے جواب میں دہرائے جا سکتے تھے ...یعنی دوسری طرف سے بات کرنے والا کچھ بھی کہہ رہا ہو ... یہ جملے اس کا جواب میں کہے جا سکتے تھے۔

''ٹھیک ہے ہم بعد میں بات کریں گے۔'' دوسری طرف سے کہا

گیا... اس کے ساتھ ہی پروفیسر داؤد نے آگے بڑھ کر آلہ بند کر دیا:

کمرے میں بیٹھے ہوئے سب ہی لوگ انسپکٹر جمشید کی طرف آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے... اس لئے نہیں کہ انسپکٹر جمشید نے اس ٹرانسیور سیٹ پر کسی غیر مانوس زبان میں بات کی تھی... بلکہ اس لئے کہ انہوں نے کسی اور کی آواز میں بات کی تھی... چند لمحے کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا... پھر آئی جی صاحب کی آواز ابھری:

'' ارے باپ رے... یہ... یہ جمشید یہ کیا... یہ تم نے افراسیاب خان کی آواز میں کیوں بات کی ہے۔''

'' جی ہاں... میں کسی اور کی آواز میں بات کر بھی کیسے سکتا تھا... جب کہ یہی اصل شخص ہے اور ان وارداتوں کا ماسٹر مائنڈ...''

'' نن نہیں۔'' ان سب کے منہ سے مارے حیرت اور خوف کے نکلا... ان آوازوں میں محمود، فاروق، فرزانہ کی آواز بھی پیش پیش تھی... کیونکہ یہ بات تو وہ بھی نہیں جانتے تھے... دوسروں کی طرح وہ بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ زبیر اختر ہی آخری آدمی ہے۔

دوسری طرف افراسیاب خان کو اکرام کی ٹیم کے کمانڈوز اس دوران اپنی گرفت میں لے چکے تھے... اب دوسروں کی سمجھ میں آیا تھا کہ خان رحمان اور انسپکٹر جمشید نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا۔



اور افراسیاب خان کی زبان تو جیسے بند تھی... وہ کچھ نہ بولا... اس کے چہرے پر تو زمانے بھر کی سیاہی پھیل گئی تھی۔

'' اب اصل آدمی پکڑا گیا... اب تو اصل کہانی بتا دو جمشید...''

خان رحمان کے لہجے میں جھلاہٹ تھی... ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چلا تھا۔

انسپکٹر جمشید مسکرا دیے... پھر انہوں نے بولنا شروع کیا:

'' بیچارہ زبیر اختر تو بس ایک مہرہ ہے... اس کا ایک ماتحت... ے یہ سیاہ پوش بنا کر ادھر اُدھر دوڑاتا رہا... اور یہ گیند تلاش کرواتا رہا... بہت بڑا نیٹ ورک بنا رکھا ہے اس نے سرکاری راز چرانے کیلئے... بڑی بڑی رقموں کے عوض دوسرے ملکوں کے ہاتھ ہمارے ملک کے سرکاری راز فروخت کرنا اس کا کاروبار ہے... بیگال کی سیکرٹ سروس نے اس کو اپنے ساتھ رابطہ قائم کرنے کیلئے یہ آلہ دیا تھا... اس آلے کا ایک حصہ یہ اپنے پاس رکھتا تھا اور دوسرا اپنے نائب زبیر اختر کے گھر کے اس تہہ خانے میں... اس لئے کہ کبھی پکڑا جائے تو اس کے گھر سے ایسے رابطے کا کوئی ثبوت نہ مل سکے... اور دوسرا حصہ اپنے پاس اس لئے رکھتا تھا کہ کہیں اس کی غیر موجودگی میں زبیر اختر خود ہی بیگال کی سیکرٹ سروس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کر بیٹھے... لیکن دوسرا

حصہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا ہی اسے لے ڈوبا اور بے دھیانی میں یہ
اسے ابدالی صاحب کے گھر گرا آیا ... اور پھر کچھ دن بعد جب اس
آلے کی ضرورت پیش آئی تو اس کو پتا چلا کہ وہ اسے کہیں گم کر بیٹھا
ہے ... تب اس نے ایسے تمام لوگوں کی فہرست تیار کی جن کے گھر اس
دوران یہ ملنے گیا تھا ... پھر اس نے اپنے ماتحت یا نائب زبیر اختر کو یہ
کام سونپا کہ آلے کو تلاش کرے ... اور اس طرح بظاہر بے تکی وارداتوں
کا یہ سلسلہ شروع ہوا جو کہ دراصل قطعی بے تکی نہیں تھیں ... گارڈز کی
تعیناتی تو ویسے ہی اس کے ہاتھ میں تھی ... اور اس نے اپنی مرضی یعنی
اپنے گروہ کے آدمیوں کو بھرتی کیا ہوا تھا ... لہٰذا گارڈز کو اپنی مرضی کے
مطابق تعینات کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا ... اور وہ یہ کھیل کھیلتا
رہا ... لیکن جب ہم نے گارڈ والے پہلو پر توجہ دی اور دو گارڈوں کو
پوچھ گچھ کیلئے گرفتار کرلیا تو یہ چوکنا ہوگیا ... نہ صرف اس نے اپنے
آدمیوں کو چھڑا لیا بلکہ انہیں حکم دیا کہ آئندہ جس گھر میں سیاہ پوش والی
کارروائی کرنی ہو ... کام ہوتے ہی وہاں سے رفوچکر ہوجائیں۔
افراسیاب خان پر شک تو مجھے اس وقت سے تھا جب یہ بات سامنے آئی
تھی کہ صرف ایک یہی ایسا آدمی ہے، جو ان سب گھروں میں دس پندرہ
دن پہلے ملنے گیا تھا جہاں جہاں بعد میں سیاہ پوش داخل ہوا ... لیکن



صرف شک کی بنیاد پر اگر میں اس پر ہاتھ ڈالتا تو یہ عدالت سے بچ
نکلتا ... لہٰذا ہم اس کے خلاف ثبوت اکٹھے کرتے رہے ... ایک بات تو
یہ سامنے آئی کہ یہ ایک واٹرکول انجن والی موٹر سائیکل کا مالک ہے،
ویسی ہی موٹرسائیکل جیسی زبیر اختر کے فرضی قتل میں استعمال ہوئی ...
ہماری ٹیم نے اس کے گھر میں کھڑی اس موٹر سائیکل کے ٹائروں پر جمی
مٹی کا نمونہ بھی حاصل کیا اور جب اس کا موقع واردات کی مٹی کے
نمونے سے موازنہ کیا گیا تو دونوں نمونے میچ کر گئے۔ اس کا مطلب یہ
کہ اس وقت افراسیاب خان کی موٹرسائیکل وہاں موجود تھی ... اب یہ تو
ہو نہیں سکتا کہ موٹرسائیکل خود چل کر پہنچ جائے ... لہٰذا ثابت ہوا کہ
افراسیاب خان اس فرضی قتل میں بھی ملوث ہے ...''
'' لیکن وہ شاتا ...'' فرزانہ نے سوال پوچھنے کیلئے اسٹارٹ لیا ہی
تھا کہ انسپکٹر جمشید نے اس کو آنکھ کے اشارے سے منع کردیا ... وہ سمجھ گئی
کہ اس کے والد اس بات کا ذکر سب کے سامنے نہیں کرنا چاہتے۔''
'' لیکن زبیر اختر کو اپنے قتل کا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت پیش
آگئی تھی۔'' ابدالی صاحب بول پڑے۔
'' ظاہر ہے کہ گرفتاری سے بچنے کیلئے ... اس کو شاید یہ محسوس ہوا
کہ ہم اس پر ہاتھ ڈالنے والے ہیں ...'' انسپکٹر جمشید نے جان چھڑانے

والے انداز میں کہا... جسے تینوں بچے محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔

پھر وہ خان رحمان کی گاڑی میں ابدالی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے... کیونکہ وہ اپنی جیپ تو وہیں چھوڑ کر چلے آئے تھے۔

O

گھر پہنچتے ہی تینوں نے انسپکٹر جمشید پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"آپ نے بتایا نہیں... کہ شاتا کی انٹیلیجنس اس معاملے میں کیسے کود پڑی۔" فرزانہ نے پھر وہی سوال کیا جو وہ پہلے کرنا چاہتی تھی لیکن انسپکٹر جمشید نے اسے اس وقت سوال کرنے سے روک دیا تھا۔

"تم بتاؤ محمود... شاتا کا اس کیس سے کیا تعلق بنتا ہے۔" انسپکٹر جمشید محمود سے مخاطب ہوئے۔

"دراصل ساری وارداتیں محکمہ داخلہ کے اہم اور بڑے افسران کے گھروں میں ہو رہی تھیں... اور یہ اطلاعات اخباروں میں بھی چھپ رہی تھیں... آج کل ویسے ہی انشارجہ کے ایجنٹوں کی طرف سے شاتا کی نگرانی میں چلنے والے منصوبوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے... اور ان منصوبوں کے حوالے سے محکمہ داخلہ کے افسران سے شاتا کی کمپنیوں کا واسطہ پڑتا رہتا ہے... اس لئے شاتا کی انٹیلیجنس کا ان



وارداتوں پر چونکنا لازمی تھا کہ ان افسران کو ڈرا دھمکا کر اس کے خلاف کوئی سازش تو نہیں کی جا رہی... اور اسی کا سراغ لگانے کیلئے وہ درمیان میں کود پڑے ہوں..." محمود ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"لیکن مجھے تو آج تک تو شینی دندان سازوں اور شینی ریسٹورنٹس والوں کے علاوہ کوئی شینی یہاں نہیں نظر آیا... تو کیا شاتا والوں کو یہ خطرہ ہے کہ کہیں بیگال والے ان کے یہ کاروبار بند نہ کروا دیں..." فاروق نہایت سنجیدہ لہجے میں بولا۔

فرزانہ نے اسے بری طرح گھور کر دیکھا... اور محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا: "دھت تیرے کی..."

لیکن فاروق کی سنجیدگی میں اس کے باوجود کوئی فرق نہ آیا...

"کچھ پڑھو گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"راستے کے سارے بورڈ پڑھتا ہوں... دیوار پر لکھے اشتہار بھی پڑھتا ہوں... بسوں اور رکشوں کے پیچھے لکھے شعر بھی زبانی یاد ہیں مجھے... اب اور کیا کیا پڑھوں..." فاروق بے چارگی سے بولا۔

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" محمود نے ایسے ہاتھ ہلایا جیسے مکھی اڑا رہا ہو۔

"ارے بھئی لڑو نہیں ... میں بتاتا ہوں ..." انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے: "تم نے ٹھیک کہا محمود ... شاتا والے ضرور ایسا ہی سوچتے ... اگر ان کی توجہ ان وارداتوں کی طرف جاتی ... لیکن ایسا نہیں ہوا ... ان کا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں ... لیکن شاتا کی انٹیلجنس کے نشان نے افراسیاب خان اور زبیر اختر کو ضرور ایسا سوچنے پر مجبور کردیا کہ شاتا کی انٹیلجنس معاملے میں کود پڑی ہے ... اور اس خیال نے انہیں بوکھلا دیا ... بوکھلاہٹ کی وجہ یہ تھی کہ بیگال کیلئے وہ اسی مشن پر کام کر رہے تھے کہ ہمارے ملک میں معدنیات کے جو نئے ذخیرے دریافت ہوئے ہیں ... ان کے ٹھیکے شاتا کی کمپنیوں کو ملنے نہیں دیئے جائیں ... اب مجھے یہ شک ایسے ہوا کہ جتنے بھی افسران کے گھروں میں سیاہ پوش داخل ہوا ... وہ سارے افسران محکمہ داخلہ کی طرف سے ایسے ہی ٹھیکوں میں دلچسپی رکھنے والی کمپنیوں کو سیکورٹی کلیئرنس دینے کے کام پر مامور تھے ... کیونکہ ایسے ہی افسران سے افراسیاب خان نے ان دنوں تعلقات بڑھائے ہوئے تھے ..."

"آپ نے کہا اباجان کہ شاتا والوں کا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں ... تو پھر وہ نشان والے کارڈ کس نے ڈالے ... وہ کون لوگ تھے جو دوسری بار ان گھروں میں داخل ہوئے تھے ..."

"وہ ... وہ خفیہ فورس والے تھے ..." ان کے منہ سے نکلا۔

"اوہ ... اوہ ... اوہ !!!" تینوں بری طرح چونک اٹھے۔

"ہاں ... یہ چال میری ہی تھی ... جو کامیاب رہی۔"

"اور آپ نے ہمیں بھی اس کی ہوا نہیں لگنے دی۔"

"وہ اس لئے کہ اس بار کے مجرموں کے پاس ہپناٹائز کرنے کے ماہرین بھی تھے ... اور وہ ایک بار تم پر یہ داؤ آزما بھی چکے تھے ... ہوسکتا تھا کہ وہ یہ حربہ دوبارہ آزماتے اور تم لوگوں سے یہ راز اگلوا لیتے۔"

"اس بات سے یاد آیا ... ابا جان ! کہ ہمارے گھر میں تلاشی کیوں کی لی گئی تھی۔"

"خود کو شک سے بچانے کے لیے ... جیسے ہی انہیں پتا چلا کہ مجھے اس واردات کی تفتیش کیلئے بلا لیا گیا ہے ... انہوں نے ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کیلئے یہاں بھی تلاشی کر ڈالی ... جو صرف دکھاوے کیلئے تھی۔ اور پھر اسی لئے آخر میں صلاح الدین خان کے ہاں بھی تلاشی کا ڈرامہ کھیلا گیا ... اور ظاہر ہے ... اس شخص کے یہاں کچھ اور مددگار بھی ہیں ... ان مددگاروں سے بھی اس نے بہت سے کام لیے ہیں ... انہیں بھی گرفتار کیا جائے گا ..."

"اور زبیر اختر کے فرضی قتل کے پیچھے کیا مقصد تھا۔"

"جب ان کو گمان ہوا کہ ہم اور ہمارے علاوہ شاتا والے بھی پیچھے پڑ گئے ہیں تو ... افراسیاب خان کو گمان ہوا کہ کہیں زبیر اختر کے ذریعے ہم اس تک نہ پہنچ جائیں ... لہٰذا اس نے یہ ظاہر کرنے کا منصوبہ بنایا کہ اس کو قتل کر دیا گیا ہے ... تا کہ ہم زبیر اختر کا پیچھا چھوڑ دیں ... کسی اور کو قتل کر کے اس کے چہرے پر زبیر اختر کا میک اپ کیا گیا ... اور واقعی داد دینی پڑتی ہے کہ مجھے ذرا بھی شک نہیں گزرا ... لیکن پھر بھی پوسٹ مارٹم کے دوران یہ راز کھل ہی جاتا تھا ... اس لئے لاش کو ایمبولینس سمیت اُڑا دیا گیا ... نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔"

"اور وہ آٹھ آدمی ... جن کو نواب فخری نے پناہ دی تھی ... ان کا کیا بنا ... اور وہ جعلی وکیل اور نواں آدمی ٹائی پن والا؟"

"ظاہر ہے کہ اسی گروہ کے آدمی تھے ... اب چونکہ ہم اصل آدمی تک پہنچ گئے ... لہٰذا ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنا مشکل نہیں رہا ... یہ سب پکڑے جائیں گے ... ابھی تو اس سلسلے میں کئی اور گرفتاریاں بھی ہوں گی اور باقی تمام لوگ بھی گرفت میں آئیں گے ..."

"اور نواب فخری ..."

"اس کے خلاف ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے ... لیکن جب ان آٹھ بدمعاشوں کو ہم گرفتار کرلیں گے تو انہی کے بیانات اور گواہیوں



کی روشنی میں نواب فخری کے خلاف بھی ایکشن ہوگا۔"

"لیکن نواب فخری نے ان کو پناہ کیوں دی ہوگی ... کیا وہ بھی اس کیس میں ملوث ہے یا پھر بیگال کے لئے کام کرتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے ... اور نہیں بھی ... ممکن ہے کہ کسی اور بڑے آدمی نے اس سے درخواست کی ہو کہ یہ میرے آدمی ہیں اور کسی چھوٹے موٹے جرم میں پولیس ان کے پیچھے لگ گئی ہے ... لہٰذا دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے وہ ان کو پناہ دے بیٹھا ہو ... ان جاگیردار سیاستدانوں کے لئے یہ روز مرہ کی بات ہے ... ایک دوسرے کی یہ ایسے کاموں میں مدد کرتے رہتے ہیں۔"

"ویسے اب مزہ آئے گا ... بیگال والوں کو اس کا علم نہیں ہو سکا کہ اس کے جاسوس پکڑے جاچکے ہیں ... اور اب اباجان ان کو افراسیاب خان بن کر تگنی کا ناچ نچا سکتے ہیں ..."

"ہاں ... یہ تو اب ہوگا ... جب تک کہ ان کو دوسرے ذرائع سے حقیقت کا علم نہ ہوجائے۔"

"اس کا مطلب ہے ... آخر کار یہ کیس حل ہو ہی گیا ... اور ان بے تکی وارداتوں کا مقصد سامنے آگیا۔" محمود نے کہا۔

"مجھے تو اب نیند آرہی ہے ... میں تو چلا سونے ..." یہ کہہ کر

فاروق اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف چل پڑا ...''

'' نیند وبند کوئی نہیں آرہی ... ہمیں پتا ہے کہ ابھی تم بستر میں گھس کر جاسوسی ناول پڑھو گے ...'' فرزانہ مسکرائی۔

'' ہاں تو پھر ... تم دونوں سے مطلب ...''

'' مطلب ... ابھی بتاتی ہوں ...'' یہ کہہ کر وہ اٹھی اور فاروق کے پیچھے چلی ... پھر اس کے پیچھے محمود ...

پانچ منٹ بعد انسپکٹر جمشید بھی اٹھے اور لائبریری والے کمرے کی طرف چل پڑے ... کیونکہ سوتے وقت وہ بھی کوئی نہ کوئی کتاب پڑھنے کے عادی تھے ... پڑھے بغیر تو نیند انہیں بھی نہیں آتی تھی۔

☆☆☆☆☆